اخبار الرایہ

شمار نمبر 591

(18-مارچ-2026)

(عربی سے ترجمہ)

سوڈان میں لیبیائی منظر نامہ اور اسے ناکام بنانے کا طریقہ 2

ایران پر امریکہ اور یہودیوں کی جنگ کی تازہ ترین صورتحال 6

کفار سے وفاداری کا انجام عبرتناک ہے 10

آسٹریلوی حکومت نے حزب التحریر پر پابندی لگادی اور اپنی تقدیر کو نسل کشی کرنے والی ریاست کی تقدیر کے ساتھ جوڑ دیا 12

جدید استعمار: مغربی غلبے اور منصوبۂ خلافت کے درمیان حقِ حاکمیت کا معرکہ 13

سیاسی فیصلے کی خود مختاری، طاقت کی بنیاد ہے 17

جنوب ایشیا کا بدلتا ہوا امیدانِ جنگ افغانستان اور پاکستان کے درمیان تصادم 21

مسلمان کس چیز کا انتظار کر رہے ہیں جبکہ ان کے پاس ان کے رب کی شریعت موجود ہے؟! 24

حقیقی خود مختاری اللہ سے ڈرنے والے حکمرانوں کی متقاضی ہے 25

فتنے کے دور اور باطل کے غلبے میں تبدیلی کے لیے مسلمان کی کوشش ایک عظیم عبادت ہے 26

فلسطین تیسرے منصوبے کے انتظار میں ہے 27

یہ کوئی فرقہ وارانہ جنگ نہیں بلکہ ایک بھرپور صلیبی جنگ ہے! 31

خلافت کی ریاست میں نظامِ صحت کی ایک جھلک 35

کیا وسطی ایشیا ایک ہی سوراخ سے دوبارہ ڈسا جائے گا؟ 36

ہم دنیا بھر کے تمام مسلمانوں کو عید الفطر کے مبارک موقع پر دلی مبارکباد پیش کرتے ہوئے اس بات پر زور دیتے ہیں کہ انہیں دین کے اس عظیم شعار سے فائدہ اٹھانا چاہیے جو انہیں جذباتی طور پر متحد کرتا ہے، تاکہ وہ عملی طور پر بھی متحد ہو سکیں۔ اور یہ وحدت اس طرح ممکن ہے کہ وہ ہمارے ساتھ مل کر اپنی خلافت کے قیام کے لیے کام کریں، جس میں ہی ان کی واحد نجات ہے۔ یہ خلافت ہی ان کی اور ان کے ممالک کی حفاظت کرے گی، ان کے دشمنوں کا خاتمہ کرے گی اور اسلام کا پیغام پوری دنیا تک پہنچائے گی تاکہ لوگوں کو استعمار اور سرمایہ داریت کے اندھیروں سے نکال کر اسلام کے نور کی طرف اور بندوں کے ظلم سے نکال کر رب العباد کے عدل کی طرف لایا جاسکے۔

ادار یہ

سوڈان میں لیبیائی منظر نامہ اور اسے ناکام بنانے کا طریقہ

تحریر: استاد یعقوب ابراہیم–ولایہ سوڈان

(ترجمہ)

سوڈان کے صوبہ دار فور میں انتہائی تیز رفتار تبدیلیاں رونما ہوئی ہیں، خاص طور پر پیر 23 فروری 2026 کو ریپڈ سپورٹ فورسز (RSF) کے "دامرۃ مستریحہ" پر قبضے اور اس سے قبل 26 اکتوبر 2025 کو دار فور میں فوج کے آخری ٹھکانے کے انخلاء کے بعد الفاشر شہر پر کنٹرول حاصل کرنے کے بعد یہ پیش رفت سامنے آئی ہے۔ یہ ایک فیصلہ کن قدم تھا جس نے ایک نئی حقیقت کو جنم دیا اور سوڈانی منظر نامے کو مزید پیچیدہ بنا کر اسے لیبیا جیسے منظر نامے کی طرف دھکیل دیا ہے۔ جہاں سوڈان کی دوسری تقسیم کے آثار نمایاں ہو گئے ہیں، جس میں دو الگ الگ اور آپس میں برسرِ پیکار حکومتیں دو حصوں کا انتظام سنبھالے ہوئے ہیں، اور ان کے درمیان ملک برباد اور عوام مصیبت کا شکار ہیں۔

امریکہ نے 2011 میں جنوبی سوڈان کو الگ کرنے میں کامیابی حاصل کرنے کے بعد اپنی منزل ریپڈ سپورٹ فورسز میں تلاش کی اور انہیں دارفور کی علیحدگی کے منصوبے پر لگا دیا، اس مقصد کے لیے امریکہ نے 2023 میں البرہان اور حمیدتی کے درمیان جنگ چھڑوائی اور اس کی ایسی مہارت سے نگرانی کی کہ ریپڈ سپورٹ فورسز پورے صوبے پر قابض ہونے میں کامیاب ہو گئیں۔ اب سوڈان میں عملی طور پر دو حکومتیں قائم ہو چکی ہیں؛ ایک مغرب (صوبہ دارفور) میں حمیدتی کی قیادت میں، جس کا رقبہ برطانیہ سے دوگنا اور فرانس کے برابر ہے اور اس میں صوبہ کردوفان کے وسیع علاقے بھی شامل ہیں۔ یہ حکومت سوڈان کی ان نایاب معدنیات، سونے اور تیل کے ذخائر پر قابض ہے جن کے حصول کا لالچ ٹرمپ ہر جگہ رکھتا ہے، جبکہ دوسری طرف سوڈان کے باقی حصوں میں فوج کی قیادت میں حکومت قائم ہے۔

امریکہ نے یہ منظرنامہ "امریکن انسٹی ٹیوٹ آف پیس" کی سفارشات کے مطابق ترتیب دیا ہے، جسے 1984 میں کانگریس نے قائم کیا تھا اور جس کے ڈائریکٹرز میں وزرائے خارجہ اور دفاع شامل رہے ہیں۔ اس ادارے نے اپریل 2024 میں نیروبی ورکشاپ کے دوران سوڈان کی صورتحال کو زمینی حقائق کی روشنی میں لیبیا کے ماڈل سے بھی زیادہ سنگین اور بدتر قرار دیا تھا (الجزیرہ، 14 مارچ 2024)۔ یہ ادارہ جنگ کا رخ اپنی مرضی کی سمت موڑنے کے لیے امریکہ کے اہم آلات میں سے ایک سمجھا جاتا ہے۔ اسی ورکشاپ میں طویل بحث کے بعد سوڈان میں دو حکومتوں کے قیام پر توجہ مرکوز کی گئی، جو اب قریب ترین اور غالب امکان بن چکا ہے۔ یہی وہ منظرنامہ ہے جس کے بارے میں ٹرمپ کے عرب اور افریقی امور کے سینئر مشیر مسعد بولس نے 28 اکتوبر 2025 کو العربیہ چینل کو انٹرویو دیتے ہوئے کہا تھا کہ سوڈان کی تقسیم سے متعلق "لیبیائی منظرنامہ" دہرایا جا رہا ہے۔

امریکہ نے دانستہ طور پر جنگ کو طول دینے کی پالیسی اپنائی، جس کی توقع پہلے ہی سے تھی، چنانچہ نیشنل انٹیلی جنس کی ڈائریکٹر ایورل ہینس نے 4 مئی 2023 کو، یعنی جنگ شروع ہونے کے ایک ماہ سے بھی کم عرصے میں کہا تھا کہ سوڈان کی مسلح افواج اور ریپڈ سپورٹ فورسز کے درمیان لڑائی طویل ہونے کا امکان ہے (ڈی ڈبلیو ویب سائٹ)۔ حزب التحریر کے امیر، جلیل القدر عالم عطاء بن خلیل ابو الرشتہ، جو بلادِ مسلمین میں کفار کی سازشوں کو بے نقاب کرنے والے ہیں، انہوں نے جنگ شروع ہونے کے محض دس دن بعد 25 اپریل 2023 کو ایک جاری کردہ بیان کے چوتھے نکتے میں کہا تھا کہ امریکہ ان دونوں جرنیلوں سے جنگ کو طول دلوانا چاہتا ہے۔ انہوں نے واضح کیا تھا کہ اس تصادم کے جاری رہنے کا مقصد برطانیہ کے ایجنٹوں (سول فورسز، حریت و تبدیلی وغیرہ) کو بے دخل کرنا تھا، اور اگرچہ یہ مقصد تقریباً حاصل ہو

چکا ہے، لیکن دستوری دستاویز کے خلاف بغاوت کے لوگوں پر ظاہر ہونے کے باعث امریکہ اور اس کے حواری اس بار جنگ کو کسی فیصلے کے بجائے "کروفر" (لڑو اور بھاگو) کی بنیاد پر کسی حد تک طویل کریں گے۔

جنگ کو طول دینا دراصل لیبیائی ماڈل کو مستحکم کرنے کے لیے امریکی حربوں میں سے ایک تھا۔ مسعد بولس نے اس بات کی تصدیق کی کہ اس تنازع کا کوئی فوجی حل نہیں ہے اور صدر ٹرمپ اس اصول کے سخت خلاف ہیں، وہ ہمیشہ پر امن حل کو ترجیح دیتے ہیں (الجزیرہ، 21 نومبر 2025)۔ اس منحوس جنگ کے آغاز سے ہی لڑائی کے طریقہ کار سے یہ بات واضح ہے! بلکہ بولس نے اسی ملاقات میں مزید وضاحت کی کہ واشنگٹن کے پاس حل اور مسودات تیار ہیں، مگر اصل بات ان کے نفاذ کی ہے، اور یہ بھی کہ ان کا ملک سوڈان کے دونوں متحارب فریقین کے ساتھ مسلسل رابطے میں ہے۔ انہوں نے 28 اکتوبر 2025 کو 'الشرق الاوسط' کو بیان دیتے ہوئے کہا تھا کہ واحد حل اور واحد راستہ صرف مذاکرات کے ذریعے پر امن حل ہے۔

امریکہ نے سوڈان میں جنگ جاری رکھنے کی پالیسی اختیار کر رکھی ہے، اس لیے وہ حل میں ٹال مٹول کرتا ہے اور ایسی تسلیوں کی بھرمار کر دیتا ہے جس نے سیاست دانوں اور سوڈانی معاملات پر نظر رکھنے والوں کے کان پکا دیے ہیں، تاکہ دارفور میں امریکہ کے علیحدگی پسند مہرے (حمیدتی) کے اثر و رسوخ کو مستحکم کیا جا سکے۔

سوڈان میں فوج کی قیادت اور ریپڈ سپورٹ فورسز (RSF) کی قیادت، دونوں ہی درحقیقت امریکہ کے کارندے ہیں۔ ڈیوڈ سیٹر فیلڈ، جنہوں نے فیلٹمین کے بعد ہارن آف افریقہ کے لیے خصوصی ایلچی کے طور پر خدمات انجام دیں، انہوں نے واشنگٹن انسٹی ٹیوٹ کی جانب سے پیش کردہ ایک مطالعے میں کہا کہ واشنگٹن کے پاس سوڈان میں صرف برے آپشنز ہی موجود تھے اور وہ فوج کے ساتھ سودے بازی کرنے پر مجبور تھا۔ اسی طرح 'آئی 24 نیوز' ویب سائٹ کے مطابق مسعد بولس نے بتایا کہ امریکہ تنازع کے دونوں فریقین کے ساتھ روزانہ کی بنیاد پر رابطے میں ہے۔ لہٰذا مذاکرات کو جدہ سے جنیوا اور قاہرہ سے واشنگٹن وغیرہ منتقل کرنے کا مقصد کوئی حل نکالنا نہیں بلکہ محض ٹال مٹول کرنا ہے۔ انہوں نے 12 ستمبر 2025 سے ایک فوری جنگ بندی کا اعلان تو کر رکھا ہے، لیکن تاحال اس کا ذکر صرف مسعد بولس اور ان کے چار رکنی گروہ (رباعیہ) کے بیانات تک ہی محدود ہے۔

امریکہ کی جانب سے یہ ٹال مٹول اور تاخیری حربے اس لیے استعمال کیے جا رہے ہیں تاکہ دونوں حکومتوں (البرہان حکومت اور حمیدتی حکومت) کو اپنے اپنے زیرِ کنٹرول علاقوں میں اثر و رسوخ مضبوط کرنے کے لیے وقت مل سکے۔

'حکومتِ تاسیس' نے تو باقاعدہ بین الاقوامی سطح پر، خاص طور پر خطے میں امریکہ کی آلہ کار ریاستوں سے قبولیت حاصل کرنا شروع کر دی ہے۔ چنانچہ یوگنڈا کے صدر یوری موسوینی نے جمعہ 20 فروری 2026 کو عنتیبی شہر کے صدارتی محل میں حمیدتی کی سربراہی میں 'حکومتِ تاسیس' کے پورے عملے کا استقبال کیا۔ موسوینی نے 'ایکس' (ٹویٹر) پر اپنے آفیشل اکاؤنٹ پر لکھا کہ اس ملاقات کے دوران انہوں نے اس بات پر زور دیا کہ مذاکرات اور پرامن سیاسی حل ہی سوڈان اور خطے میں پائیدار استحکام کا واحد راستہ ہیں۔

امریکہ کی موجودہ اور مستقبل کی تمام کوششیں ملک کے عوام کے لیے کسی قابلِ قبول حل کا باعث نہیں بنیں گی، بلکہ یہ محض ہوٹلوں کے راہداریوں، سوئٹزرلینڈ میں دریائے رون کے کناروں، زیورخ، شرم الشیخ کے ریزورٹس اور واشنگٹن وغیرہ میں بے مقصد گفتگو کے سوا کچھ نہیں ہیں۔ یہ سب کچھ اس وقت تک جاری رہے گا جب تک دارفور کی علیحدگی کے جرم پر عملدرآمد کا وقت نہیں آجاتا؛ تب امریکہ مذاکرات میں سنجیدگی دکھائے گا اور تمام فریقین کو اس مجرمانہ منصوبے پر دستخط کرنے کے لیے اکٹھا کرے گا، بالکل اسی طرح جیسے اس نے جنوبی سوڈان کے معاملے میں کیا تھا۔ اگر معاملات (خدانخواستہ) اسی ڈگر پر چلتے رہے تو امریکہ اس فائل کو اس وقت تک اپنے ہاتھ میں رکھے گا جب تک کہ وہ دارفور کی علیحدگی کے اپنے منصوبے کے بارے میں پوری طرح مطمئن نہ ہو جائے۔

استعمار کے ساتھ کسی بھی قسم کا معاملہ کرنا اور شر کے سرغنہ امریکہ کو مسلمانوں کی سلامتی اور ان کے دیگر حساس معاملات کی فائلیں سنبھالنے کی اجازت دینا انتہائی خطرناک ہے۔ اسلام نے مسلمانوں کی داخلی یا خارجی سیاست میں کفار کی مداخلت کو سختی سے منع کیا ہے اور اس کی حرمت پر زور دیتے ہوئے فرمایا ہے: ﴿**وَلَن يَجْعَلَ اللَّهُ لِلْكَافِرِينَ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ سَبِيلاً**﴾ "اور اللہ ہرگز کافروں کے لیے مومنوں پر (غلبے کی) کوئی راہ نہیں بنائے گا" (سورۃ النساء: آیت 141)۔ آج امتِ مسلمہ کو ان تمام رسیوں کو کاٹنے کی ضرورت ہے جو مغربی استعماری کافر کو اس کے ممالک میں مداخلت کا موقع دیتی ہیں۔ یہ مقصد نبوت کے نقشِ قدم پر خلافتِ راشدہ کے قیام کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتا، جو امت کی وحدت اور ریاست کے وحدت کی حقیقی محافظ ہو۔ ﴿**وَيَقُولُونَ مَتَىٰ هُوَ قُلْ عَسَىٰ أَن يَكُونَ قَرِيباً**﴾. "وہ پوچھتے ہیں کہ یہ (کب) ہو گا؟ آپ کہہ دیں کہ شاید وہ وقت قریب ہی ہو" (سورۃ الاسراء: آیت 51)

ایران پر امریکہ اور یہودیوں کی جنگ کی تازہ ترین صورتحال

تحریر: استاد اسعد منصور

(ترجمہ)

جب امریکہ نے اپنی پروردہ صیہونی وجود کے ساتھ مل کر 28 فروری 2026 کو ایران پر جارحیت کا آغاز کیا، تو اس نے اس جنگ کے لیے چار دن کی مدت مقرر کی تھی۔ امریکہ کا گمان تھا کہ نظام کی چوٹی اور صفِ اول کے رہنماؤں کو نشانہ بناتے ہی دوسری صف کی قیادت ہتھیار ڈال دے گی اور اس کی شرائط کے سامنے سر تسلیم خم کر دے گی، بالکل ویسے ہی جیسے وینزویلا میں ہوا تھا جب وہاں کے صدر کو اغوا کیا گیا تو نائب صدر نے اس کے آگے گھٹنے ٹیک دیے تھے۔ لیکن ایسا نہ ہوا، بلکہ ایران ثابت قدم رہا اور اس جارحیت کا بھرپور مقابلہ کیا۔ یہاں تک کہ ٹرمپ کا تکبر اس حد تک بڑھ گیا کہ اس نے کہا کہ وہ (ایران کے) 'رہبر' کے تقرر میں شریک ہو گا اور وہ خامنہ ای کے بیٹے کو نہیں چاہتا، لیکن اس کی یہ امیدیں خاک میں مل گئیں۔

12 مارچ 2026 کو نیویارک ٹائمز نے باخبر ذرائع کے حوالے سے بتایا کہ "ٹرمپ اور ان کے مشیروں کو اس بات کا پورا یقین تھا کہ اعلیٰ قیادت کے قتل کے نتیجے میں ایسے عملیت پسند (Pragmatic) رہنما سامنے آئیں گے جو جنگ ختم کرنے کی کوشش کریں گے"۔ 10 مارچ 2026 کو امریکی وزیرِ جنگ پیٹ ہیگسیٹ نے بھی اس کا اعتراف کرتے ہوئے کہا: "میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ ہم نے ضروری طور پر ان کے اس ردعمل کی توقع کی تھی"۔

چار دن گزرنے کے بعد، ٹرمپ نے معرکے کا فیصلہ کرنے کے لیے دو ہفتوں، اور شاید چار ہفتوں کی بات کی۔ وہ اس جنگ کو اس سے پہلے ختم کرنا چاہتا ہے کہ حالات مزید بگڑ جائیں اور اس کے داخلی معاملات پر اثر پڑے، خاص طور پر جبکہ آئندہ خزاں میں کانگریس کے وسط مدتی انتخابات ہونے والے ہیں۔

سیاست میں ہر واقعے کو ایک ہی ترازو میں تولنا غلط ہے، کیونکہ ہر ملک اور ہر واقعے کے اپنے مخصوص حالات اور پیچیدگیاں ہوتی ہیں، اسی طرح کسی واقعے کو اس کے پس منظر اور اصل حالات سے الگ کر کے دیکھنا بھی ایک غلطی ہے۔

لیکن تکبر اور رعونت نے ٹرمپ کو اسی طرح اندھا کر دیا جیسے اس کے ریپبلکن پیشرو بش جونیئر کو 2001 میں افغانستان اور 2003 میں عراق پر حملے کے وقت کیا تھا، اور جیسا کہ بش سینئر 1992 میں صومالیہ پر حملے کے وقت اندھے ہو چکا تھا۔ امریکہ اپنی فوجی طاقت، معاشی تسلط اور دوسرے ممالک کی خاموشی یا اس (ظلم) میں شرکت پر بھروسہ کرتا ہے۔ اسی لیے وہ ہر ملک کو تنہا پا کر اس پر حملہ کر دیتا ہے اور اب تو سوویت یونین کے دور کے برعکس کوئی بڑی طاقت ان کا راستہ بھی نہیں روکتی۔ امریکہ 1961 سے 1991 (سوویت یونین کے خاتمے) تک اسے اہمیت دیتا تھا اور اس کے ساتھ مفاہمت کی کوشش کرتا تھا، لیکن اس کے بکھر جانے کے بعد امریکہ بین الاقوامی منظر نامے پر بلا شرکتِ غیرے حاوی ہو گیا۔

اب جبکہ جنگ اپنے تیسرے ہفتے میں داخل ہو چکی ہے، ٹرمپ نے اپنے اہداف سے پیچھے ہٹنا شروع کر دیا ہے یا یہ دعویٰ کرنا شروع کیا ہے کہ اس نے اپنے مقاصد حاصل کر لیے ہیں اور اب وہ جنگ روکنا چاہتا ہے۔ اس نے ان اہداف کو ایرانیوں کو ایٹمی ہتھیار حاصل کرنے سے روکنے، طویل فاصلے تک مار کرنے والے میزائلوں کی تیاری روکنے، اور ایرانی عوام کی جانب سے اقتدار پر قبضے کی صورت میں گنوایا تھا۔

دوسری طرف ایران نے خلیجی ممالک میں تیل کی تنصیبات کو نشانہ بنانا شروع کر دیا جس سے تیل کی پیداوار متاثر ہوئی، اور آبنائے ہرمز کو بند کر دیا جہاں سے دنیا کی توانائی کے تقریباً 20 فیصد ذرائع گزرتے ہیں۔ اس کے نتیجے میں عالمی سطح پر تیل کا بحران پیدا ہو گیا، سپلائی کم ہو گئی اور امریکہ سمیت پوری دنیا میں قیمتیں آسمان سے باتیں کرنے لگیں۔ تیل کے سٹریٹیجک ذخائر (Strategic Reserves) سے ریکارڈ مقدار میں تیل نکالنے سے بھی تیل کی قیمتوں پر لگام نہ ڈالی جا سکی، اور ایران کی جانب سے تیل کی تنصیبات پر حملوں میں تیزی کے ساتھ ہی قیمتوں میں اضافے کا سلسلہ دوبارہ شروع ہو گیا۔

ٹرمپ نے بوکھلاہٹ کا شکار ہو کر متضاد بیانات دینا شروع کر دیے، اور 11 مارچ 2026 کو کہا کہ "جنگ جلد ختم ہو جائے گی، کیونکہ ایران میں اب شاید ہی کوئی ایسی چیز باقی بچی ہو جسے نشانہ بنایا جا سکے"۔ یہ بیان جنگ کو روکنے کی جانب ایک قدم تھا۔ اس نے تیل کی سپلائی پر جنگ کے اثرات پر اپنی بڑھتی ہوئی مایوسی کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ "تیل بردار بحری جہازوں کے عملے کو کچھ ہمت دکھانی چاہیے اور آبنائے ہرمز سے گزرنا چاہیے"۔ وہ ان سے امریکہ کی خاطر اپنی جانیں خطرے میں ڈالنے کا مطالبہ کر رہا ہے لیکن ان میں سے کوئی بھی ایسی ہمت نہیں دکھا رہا۔ 14 مارچ 2026 کو اس نے دوسرے ممالک سے مطالبہ کرنا شروع کر دیا کہ وہ اس کی مدد کریں اور آبنائے ہرمز کو کھلوائیں۔ ڈیموکریٹک سینیٹر

کرسٹوفر مرفی نے سوشل میڈیا پر ااسن کا بھانڈا پھوڑتے ہوئے کہا کہ "ٹرمپ انتظامیہ کے پاس آبنائے ہرمز کے لیے کوئی منصوبہ نہیں ہے اور وہ نہیں جانتے کہ اسے بحفاظت دوبارہ کیسے کھولا جائے"۔ یہ انکشاف ٹرمپ انتظامیہ کی جانب سے کانگریس کے ایک بند کمرہ اجلاس میں اپنے منصوبے پیش کرنے کے بعد سامنے آیا۔

نیویارک ٹائمز نے بھی انہیں یہ کہہ کر بے نقاب کیا کہ "جب ٹرمپ اپنے مختلف آپشنز پر غور کر رہا تھا، جن میں ایران پر فوجی جارحیت کے ذریعے اسے اپنی شرائط پر معاہدے کے لیے مجبور کرنا بھی شامل تھا، تو 18 فروری 2026 کو امریکی وزیر توانائی کرس رائٹ نے کہا تھا کہ انہیں اس بات کی بالکل فکر نہیں ہے کہ آنے والی جنگ مشرق وسطیٰ میں تیل کی سپلائی میں خلل ڈالے گی یا توانائی کی منڈیوں میں افراتفری پیدا کرے گی"۔ یہ اندازہ جون 2025 میں ایران پر یہودی وجود اور امریکہ کی جارحیت، جسے '12 روزہ جنگ' کہا جاتا ہے، کی بنیاد پر لگایا گیا تھا۔ اس نے مزید کہا کہ "گزشتہ جون میں ایران پر اسرائیلی اور امریکی حملوں کے دوران منڈیوں میں بہت کم اضطراب دیکھا گیا تھا۔ تیل کی قیمتیں تھوڑی بڑھیں اور پھر دوبارہ نیچے آ گئیں"۔

ٹرمپ اپنے روسی ہم منصب پیوٹن سے رابطہ کرنے پر مجبور ہوا تاکہ شاید وہ اس کی مدد کر سکے۔ کریملن کے مشیر یوری اوشاکوف نے بتایا کہ "پیوٹن نے ٹرمپ کو ایران جنگ کے فوری خاتمے کے لیے تجاویز پیش کیں"۔ یہ بات ان کے درمیان پیر 9 مارچ 2026 کو ہونے والی ایک ٹیلی فون کال کے دوران ہوئی، جو ٹرمپ کی درخواست پر کی گئی تھی اور تقریباً ایک گھنٹہ جاری رہی۔ اس کے بعد ٹرمپ نے اعلان کیا کہ "اس نے پیوٹن کے ساتھ ٹیلی فون پر بات کی جو کہ مثبت رہی، اور یہ کہ امریکہ اب روسی تیل پر عائد پابندیوں میں نرمی کر سکتا ہے"۔

ایران کے نائب وزیر خارجہ مجید روانچی نے کہا کہ "ہم جنگ بندی کے لیے یہ شرط رکھتے ہیں کہ مزید جارحیت نہ کی جائے، اور چین، روس اور فرانس سمیت کئی ممالک نے جنگ بندی کے حوالے سے ہم سے رابطہ کیا ہے"۔

ایسا لگتا ہے کہ امریکہ اب روس یا کسی اور کے ذریعے ایران سے مذاکرات کا راستہ کھولنے کی طرف بڑھ رہا ہے تاکہ جنگ کو اس طرح روکا جائے کہ وہ اپنی اس مشکل صورتحال سے نکل سکے اور بظاہر فاتح نظر آئے۔ لیکن شاید ایسا ممکن نہ ہو سکے، اور اس کا انجام بھی ویسا ہی ہو جیسا اس کے پیشرو بش جونیئر کا ہوا تھا، خاص طور پر اگر ایران نے خطے میں امریکی اڈوں، تیل کی تنصیبات اور یہودی وجود کے اندر اپنے میزائل حملے جاری رکھے۔

یہودی وجود کی یہ خوش فہمی بھی دور ہو گئی کہ امریکہ کے ساتھ مل کر اس کی فوری جارحیت قیادت کو ختم کر کے نظام کو گرا دے گی اور معرکہ جلد ختم ہو جائے گا۔ وہ ان کی جارحیت پر ایران کے بھرپور رد عمل اور ایرانی میزائلوں سے ہونے والے بڑے نقصانات پر حیران رہ گئے۔

بظاہر لگتا ہے کہ ایران فلسطین کو آزاد کرانے کی صلاحیت رکھتا ہے، لیکن اس نے کبھی اسے اپنا حقیقی ہدف نہیں بنایا۔ اس کے پاس ایک بہترین موقع اس وقت تھا جب غزہ میں مجاہدین نے یہودی وجود پر حملہ کیا تھا، اور وہ خود بھی شام میں فرنٹ لائن پر موجود تھا۔ لیکن ایران نے جنگ کا دائرہ وسیع نہ کرنے کے امریکی پیغامات پر کان دھرے، یہاں تک کہ اسے شام سے نکال دیا گیا اور لبنان میں اس کی طاقتور جماعت کو ضرب لگائی گئی۔

ایران کا خیال تھا کہ امریکہ کے زیر اثر رہنا اور اس کے پیغامات پر عمل کرنا اس کے وجود کے تحفظ، اسے مضبوط بنانے، علاقائی اثر ورسوخ بڑھانے، اور ایٹمی و میزائل سازی کی صلاحیت کو ترقی دینے کی ضمانت بنے گا۔ لیکن امریکہ دراصل ان چیزوں کو محدود کرنا اور اسے اپنا ایک تابع ملک بنانا چاہتا تھا۔

ہم ایران سے یہ توقع نہیں رکھتے کہ وہ اپنے مخلوط جمہوری نظام، محدود قوم پرستی اور مسلکی عصبیت کو چھوڑ کر خلافت کا اعلان کرے گا، اسلامی ممالک کو متحد کرنے کے لیے کام کرے گا، اور فلسطین کو آزاد کراتے ہوئے ہر جگہ مسلمانوں کی نصرت کرے گا۔ حالانکہ اگر وہ ایسا کرتا تو امریکہ خطے میں اپنے اڈے قائم نہ کر پاتا اور نہ ہی یہودی وجود کا وجود باقی رہتا۔ وہ یہودی وجود جس نے غزہ اور وہاں کے لوگوں کے ساتھ جو ظلم کیا وہ سب کے سامنے ہے، جہاں کے لوگ ایران کی مدد کے منتظر رہے لیکن خطے کے دیگر ممالک کی طرح اس نے بھی انہیں مایوس کیا۔ اگر وہ ایسا کرتا تو وہ خود بھی اس جارحیت کا شکار نہ ہوتا۔

یہ جنگ ثابت کرتی ہے کہ جب مسلمان نبوت کے نقشِ قدم پر اپنی ریاست، یعنی ریاستِ خلافت قائم کریں گے، تو ان کے پاس امریکہ کو شکست دینے اور یہودی وجود کو ختم کرنے کی بھرپور صلاحیت ہو گی، لہذا مسلمانوں پر واجب ہے کہ وہ اسے قائم کرنے والوں کی مدد کریں۔

کفار سے وفاداری کا انجام عبرتناک ہے

مسلم ممالک کے حکمران کفار سے وفاداری کی سنگینی کو نہیں سمجھ سکے، جبکہ یہ دنیا میں رسوائی اور آخرت میں دردناک عذاب کا باعث ہے: ﴿الَّذِينَ يَتَّخِذُونَ الْكَافِرِينَ أَوْلِيَاءَ مِنْ دُونِ الْمُؤْمِنِينَ أَيَبْتَغُونَ عِنْدَهُمُ الْعِزَّةَ فَإِنَّ الْعِزَّةَ لِلَّهِ جَمِيعاً﴾ "جو مومنوں کو چھوڑ کر کافروں کو اپنا دوست بناتے ہیں، کیا وہ ان کے پاس عزت تلاش کرتے ہیں؟ تو عزت تو سب اللہ ہی کے لیے ہے" (سورۃ النساء: آیت 139)۔ یہ حکمران اس حقیقت سے بے خبر ہیں کہ کافر ممالک کے لیے سب سے اہم ان کے اپنے مفادات ہوتے ہیں اور وہ دن رات اسلام اور مسلمانوں کے خلاف دشمنی پالتے ہیں۔ اگر وہ کسی ایسی ریاست یا اپنے ایجنٹوں کے بارے میں تھوڑی بہت رضامندی کا اظہار بھی کرتے ہیں جو ان کے زیرِ اثر ہو، تو وہ ان کے لیے خیر نہیں چاہتے بلکہ دل میں شر چھپائے رکھتے ہیں اور اس کا اظہار بھی کرتے ہیں۔ اگر یہ حکمران، خواہ وہ ان کے زیرِ اثر ہوں یا ان کے ایجنٹ ہوں، اس بات کو سمجھتے کہ امریکہ ان کی کوئی پروا نہیں کرتا جب اس کے مفادات ان کے زوال کا تقاضا کریں، تو وہ تاریخ کے واقعات سے عبرت حاصل کرتے۔ کتنے ہی ایجنٹوں کو امریکہ نے ان کا کام نکل جانے کے بعد گرا دیا۔ اگر یہ حکمران عقل سے کام لیتے تو وہ کفار کو گٹھلی کی طرح پھینک دیتے، لیکن وہ "بہرے، گونگے اور اندھے ہیں، سو وہ پلٹنے والے نہیں"۔ استعماری کفار کے ساتھ ان کی وفاداری اس حد تک پہنچ چکی ہے کہ ان میں سے کسی بھی ملک پر حملہ ہوتا ہے تو دوسرے اس کی مدد کے لیے حرکت نہیں کرتے، بلکہ ان میں سے بہترین وہ ہوتا ہے جو مقتولین اور زخمیوں کی گنتی کرتا ہے، جیسا کہ ایران پر حملے کے حوالے سے ہو رہا ہے۔

اے مسلمانو! تمہاری عزت تمہاری ریاست، خلافت راشدہ کی واپسی میں ہے۔ اور ہراول دستہ "حزب التحریر" جو اپنے لوگوں سے جھوٹ نہیں بولتا، اس نے اللہ کے حکم سے خلافت راشدہ کے قیام کے ذریعے اسلامی زندگی کے دوبارہ آغاز کے لیے خود کو مخلصانہ اور سنجیدہ جدوجہد کے لیے وقف کر رکھا ہے۔ یہ واقعی وہ ہراول دستہ ہے جو اپنے لوگوں سے جھوٹ نہیں بولتا، یہ وہ جماعت ہے جس کی پاکیزگی عیاں ہے اور ہر وہ شخص اس سے دور رہتا ہے جو اس کی پاکیزگی کو برداشت نہیں کر سکتا۔ ہم حزب اور اس کے ساتھ کام کرنے والے تمام نوجوانوں کو ایسا ہی سمجھتے ہیں کہ وہ سنجیدہ، محنتی اور مخلص ہیں، جو اللہ کے حکم سے دنیا کے مقابلے میں آخرت کو کہیں زیادہ اہمیت دیتے ہیں۔ وہ دن رات محنت کرتے ہیں

اور اللہ کی رحمت کے امیدوار ہیں کہ اللہ کا وعدہ اور اس کے رسول ﷺ کی خوشخبری ان کے ہاتھوں پوری ہو، اور اللہ کے لیے یہ کچھ بھی مشکل نہیں۔

یہی وہ راستہ ہے جو امت کو نجات دلائے گا، اس کی عزت بحال کرے گا، اس کی قوت کو مضبوط کرے گا اور دشمنوں کو اس پر حملہ کرنے سے پہلے ہزار بار سوچنے پر مجبور کر دے گا۔ یہ صرف اسی صورت میں ممکن ہے جب خلافت دوبارہ قائم ہو اور زمین اس کی خیر اور عدل سے روشن ہو جائے۔ جس طرح خلافت نے قیصر و کسریٰ کے تکبر کو خاک میں ملا دیا تھا، اسی طرح وہ ان کے پیروکاروں جیسے ظالم ٹرمپ اور اس جیسے استعماری کفار کے تکبر کو بھی ختم کر دے گی۔

جہاں تک یہودی وجود کا تعلق ہے، تو وہ اس سے کہیں زیادہ کمزور ہے کہ اسے کوئی اہمیت دی جائے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿لَنْ يَضُرُّوكُمْ إِلَّا أَذًى وَإِنْ يُقَاتِلُوكُمْ يُوَلُّوكُمُ الْأَدْبَارَ ثُمَّ لَا يُنْصَرُونَ﴾ "وہ تمہیں معمولی اذیت کے سوا کوئی نقصان نہیں پہنچا سکیں گے، اور اگر وہ تم سے لڑیں گے تو پیٹھ پھیر کر بھاگ جائیں گے، پھر ان کی مدد نہیں کی جائے گی" (سورۃ آل عمران: آیت 111)۔ وہ اپنی ذات میں قائم رہنے کی صلاحیت نہیں رکھتا، وہ صرف لوگوں کے سہارے ہی لڑ سکتا ہے، جیسا کہ قادرِ مطلق کا فرمان ہے: ﴿ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ أَيْنَ مَا ثُقِفُوا إِلَّا بِحَبْلٍ مِنَ اللَّهِ وَحَبْلٍ مِنَ النَّاسِ﴾ "ان پر ذلت مسلط کر دی گئی ہے جہاں کہیں بھی وہ پائے جائیں، سوائے اللہ کی رسی اور لوگوں کی رسی کے سہارے کے" (سورۃ آل عمران: آیت 112)۔ انہوں نے اللہ کی رسی کو کاٹ دیا ہے اور اب ان کے پاس صرف لوگوں کی رسی باقی ہے، یعنی امریکہ، یورپ اور مسلم ممالک کے غدار حکمران ایجنٹ جو یہودیوں کی وحشیانہ جارحیت کے سامنے ٹس سے مس نہیں ہوتے۔ پس اصل مسئلہ موجودہ مسلم ممالک کے حکمرانوں کا ہے جو استعماری کفار اور اسلام و مسلمانوں کے دشمنوں کے وفادار ہیں۔ اس طرح مسلمانوں کی مصیبت ان کے حکمران ہیں۔ جو اللہ سے وفاداری کے بجائے، اس کے احکامات نافذ کرنے اور اس کی راہ میں جہاد کرنے اور اس کے رسول ﷺ کی پیروی کرنے کے بجائے، استعماری کفار کے وفادار ہیں اور ان کے اشاروں پر ناچتے ہیں۔ اگر ایسا ہوتا تو اسلام اور مسلمانوں کو عزت ملتی اور کفر و کافر ذلیل ہوتے۔ ﴿وَيَوْمَئِذٍ يَفْرَحُ الْمُؤْمِنُونَ * بِنَصْرِ اللَّهِ يَنْصُرُ مَنْ يَشَاءُ وَهُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ﴾ "اور اس دن مومن اللہ کی نصرت پر خوش ہوں گے، وہ جس کی چاہتا ہے مدد کرتا ہے اور وہ غالب اور رحم کرنے والا ہے" (سورۃ الروم: آیت 4، 5)

آسٹریلوی حکومت نے حزب التحریر پر پابندی لگادی اور اپنی تقدیر کو نسل کشی کرنے والی ریاست کی تقدیر کے ساتھ جوڑ دیا

حزب التحریر کے مرکزی میڈیا آفس نے ایک پریس ریلیز میں کہا ہے کہ: دنیا بھر کے مختلف دارالحکومتوں بشمول آسٹریلیا کے بڑے شہر سڈنی میں غزہ اور مغربی کنارے میں یہودی وجود کے جرائم کے خلاف احتجاج کے لیے لاکھوں کے مجمع نے آسٹریلوی حکومت کو آگ بگولہ کر دیا ہے، جو کہ ان نسل کش جرائم میں یہودی وجود کی بھرپور حامی اور مددگار رہی ہے۔ آسٹریلیا میں موجود صہیونیوں کے غصے میں اس وقت مزید اضافہ ہوا جب حزب التحریر ان لاکھوں لوگوں کے ساتھ کھڑی ہوئی اور یہودی جرائم اور ان کی پشت پناہی کرنے والی آسٹریلوی حکومت کے موقف کے خلاف مسلم کمیونٹی کی قیادت کی۔ آسٹریلیا کی صہیونی حکومت کو جب کوئی راستہ نہ ملا تو اس نے اپنے لاکھوں ووٹروں کی رائے کو ردی کی ٹوکری میں ڈال دیا اور ان تمام لوگوں کی مذمت شروع کر دی جو ان قتلِ عام کے خلاف احتجاج کر رہے تھے اور ارضِ مبارک فلسطین کے مظلوموں اور کمزوروں کی حمایت کر رہے تھے۔ چنانچہ اس حکومت نے اپنے ہی آئین اور ان اقدار کو پامال کرتے ہوئے جن کا وہ ڈھنڈورا پیٹتی تھی، حزب التحریر پر پابندی عائد کر دی اور ایک ایسا قانون وضع کیا جو شیطان کے وہم و گمان میں بھی نہ ہو گا۔

تنظیموں سے متعلق "نفرت" کا یہ قانون، جسے حکومت نے وضع کیا اور پارلیمنٹ نے رائے عامہ اور ووٹروں کو نظر انداز کرتے ہوئے منظور کیا، کافی حد تک اس "دہشت گردی کے قانون" سے مشابہ ہے جو شر کے سرغنہ امریکہ کی قیادت میں عالمی سطح پر مسلط کیا گیا تھا۔ اس ملک نے اسلام اور مسلمانوں کے خلاف ایک عالمی جنگ چھیڑی تھی، جسے جارج بش نے اس وقت مسلمانوں کے بے پناہ وسائل کے لالچ میں اور بہترین امت پر اپنے تسلط کو برقرار رکھنے کی خواہش میں "صلیبی جنگ" کا نام دیا تھا، تاکہ یہ امت اس کے غلبے اور غلامی سے آزاد نہ ہو سکے۔ بالکل اسی طرح یہ "نفرت کا قانون" بھی ہے، کیونکہ یہ ان تمام لوگوں کو مجرم قرار دینے کا قانون ہے جو بلند اور انسانی اقدار رکھتے ہیں، اور یہ ان سب کو نشانہ بناتا ہے جو یہودیوں کے جرائم اور ان کے ہاتھوں عورتوں، بچوں اور بوڑھوں کے قتل کی مذمت کرتے ہیں، خاص طور پر اگر مذمت کرنے والا امتِ مسلمہ سے ہو، وہ امت جو پوری کائنات کے لیے رحمت کا پیغام لے کر آئی ہے۔

جدید استعمار: مغربی غلبے اور منصوبۂ خلافت کے درمیان حقِ حاکمیت کا معرکہ

تحریر: استاد محمود الليثي

(ترجمہ)

آج کے دور میں استعمار کو لازمی طور پر زمین پر قبضہ کرنے والے سپاہی، محل میں بیٹھے کسی ہائی کمشنر یا اداروں پر لہراتے جھنڈے کی ضرورت نہیں رہی۔ اگرچہ ذرائع اور طریقے بدل چکے ہیں، مگر حقیقت اب بھی وہی ہے: یہ کشمکش دراصل حقِ حاکمیت کی کشمکش ہے کہ آیا یہ حاکمیت شریعت کی ہو گی یا بین الاقوامی سرمایہ دارانہ نظام کی؟ کیا فیصلہ امت کے عقیدے سے نکلے گا یا مغرب کے ارادے کے تابع ہو گا؟

دونوں عالمی جنگوں کے بعد، یورپی استعماری قوتیں بہت سے مسلم ممالک سے پیچھے ہٹ گئیں، "آزاد" ریاستوں کا اعلان ہوا، قومی پرچم لہرائے گئے اور نئے دساتیر (آئین) تیار کیے گئے۔ لیکن یہ آزادیاں فاتحین کے وضع کردہ ایک ایسے بین

الاقوامی نظام کے فریم ورک میں پیدا ہوئیں جو قومی ریاست (نیشن سٹیٹ)، مقامی معیشتوں کو عالمی سرمایہ دارانہ منڈی سے جوڑنے اور سیاسی فیصلوں کو بین الاقوامی طاقت کے توازن کی مساواتوں کے تابع کرنے پر مبنی ہے۔ اس طرح استعمار براہِ راست قبضے سے نکل کر بالواسطہ غلبے (Hegemony) کی شکل اختیار کر گیا۔

قدیم استعمار زمین پر قبضہ کرتا تھا اور اپنے سپاہیوں اور اہلکاروں کے ذریعے اسے چلاتا تھا، جبکہ جدید استعمار زیادہ خطرناک ذرائع یعنی بین الاقوامی معاہدوں، مالیاتی اداروں، عسکری وابستگی اور مغربی تہذیبی نمونے سے فکری لگاؤ کے ذریعے فیصلے (Decision-making) پر قبضہ کرتا ہے۔ اب استعمار کو خود حکومت کرنے کی ضرورت نہیں رہی، جب تک کہ مقامی سیاسی نظام اسی دائرے کے اندر کام کرتا رہے جو اس نے کھینچا ہے، اور حکمرانی، معیشت اور معاشرت میں وہی تصورات اپنائے رکھے۔

جدید استعمار کی سب سے خطرناک بات یہ ہے کہ یہ غلامی اور تابعداری کو خود مختاری کا لباس پہنا دیتا ہے۔ ریاست کے پاس جھنڈا، فوج، قومی ترانہ اور اقوامِ متحدہ کی رکنیت تو ہوتی ہے، لیکن جب وہ کوئی اسٹریٹجک معاشی فیصلہ کرنا چاہتی ہے تو اسے بین الاقوامی مالیاتی فنڈ (IMF) اور ورلڈ بینک کی شرائط کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ جب وہ اپنی مانیٹری یا تجارتی پالیسی بدلنے کا سوچتی ہے، تو وہ وعدوں اور معاہدوں کے ایسے جال سے ٹکراتی ہے جو اس کی نقل و حرکت کو محدود کر دیتے ہیں۔ اور جب وہ سیاسی طور پر طے شدہ لائن سے ہٹنے کی کوشش کرتی ہے، تو اسے سفارتی دباؤ، معاشی پابندیوں یا حفاظتی خطرات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

حقیقت میں مسئلہ صرف بیرونی دباؤ تک محدود نہیں ہے، بلکہ یہ موجودہ سیاسی ڈھانچے کی بنیاد تک پھیلا ہوا ہے۔ وہ قومی ریاستیں جو خلافت کے خاتمے کے بعد وجود میں آئیں، اسلامی عقیدے کی بنیاد پر نہیں بلکہ وطن پرستی اور قوم پرستی کی بنیاد پر بنائی گئیں جو مسلمانوں کو ایک دوسرے سے جدا کرتی ہیں اور ہر خطے کے مفادات کو دوسروں سے الگ کر دیتی ہیں۔ اس طرح ایک امت ایسے متصادم وجودوں میں بدل گئی جن میں سے ہر ایک پر الگ الگ اثر انداز ہونا آسان ہو گیا۔

1924ء میں خلافتِ عثمانیہ کا خاتمہ امت کی تاریخ کا ایک اہم ترین موڑ تھا، کیونکہ اس نے اس جامع سیاسی وجود کو ختم کر دیا جو اپنے آخری مراحل میں کمزوری کے باوجود مسلمانوں کی سیاسی وحدت کی علامت تھا۔ اس وقت سے مسلم ممالک کی دوبارہ تشکیل ان حدود کی بنیاد پر ہوئی جو استعمار نے کھینچی تھیں اور ان مفادات کی بنیاد پر ہوئی جنہیں وہ برقرار رکھنا چاہتا

تھا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ تمام خطوں میں سیاسی فیصلہ سازی ایک ایسے مغربی سرمایہ دارانہ نظام سے جڑ گئی جو نہ تو امت کے عقیدے سے نکلتا ہے اور نہ ہی اس کے مفادات سے۔

آج معاشی غلبہ مقامی کرنسیوں کو ڈالر سے جوڑنے، معیشت کو سودی قرضوں پر منحصر کرنے اور بازاروں کو مغربی مصنوعات کی کھپت کا مرکز بنانے کی صورت میں ظاہر ہو رہا ہے، امت کی دولت اور وسائل کی منظم لوٹ مار تو اس کے علاوہ ہے۔ وہ ممالک جو تیل، گیس اور معدنیات کی بے پناہ دولت کے مالک ہیں، وہ بھی دائمی مالیاتی خسارے، ٹیکنالوجی کی غلامی اور اسٹریٹجک مینوفیکچرنگ میں کمزوری کا شکار ہیں! یہ وسائل کی کمی نہیں، بلکہ اس معاشی ڈھانچے کا نتیجہ ہے جو ان ممالک کو ایک تابع اور غلام کی حیثیت میں رکھنے کے لیے بنایا گیا ہے۔

جہاں تک عسکری غلبے کا تعلق ہے، تو وہ اسلحہ سازی کے ان معاہدوں میں نظر آتا ہے جو افواج کو ہتھیار برآمد کرنے والے ممالک کے اسپیئر پارٹس، دیکھ بھال اور اپ گریڈیشن کا مستقل محتاج بنا دیتے ہیں، نیز مغربی عسکری نظریات سے وابستگی اور ان اتحادوں میں شرکت میں نظر آتا ہے جن کی ترجیحات امت کی مرضی سے باہر طے کی جاتی ہیں۔ اس طرح وہ فوج جسے امت اور اس کے مفادات کے تحفظ کا ذریعہ ہونا چاہیے تھا، وہ بین الاقوامی توازن کے اس نظام کا حصہ بن جاتی ہے جس میں امت کے پاس فیصلے کا کوئی اختیار نہیں ہوتا۔

اسلام کے نقطہ نظر سے اس صورتحال کا مطلب یہ ہے کہ حق حاکمیت (بالادستی) شریعت کی نہیں بلکہ بین الاقوامی نظام کی ہے۔ اسلام میں حاکمیت کا مطلب یہ ہے کہ قانون سازی اور حکمرانی کا سرچشمہ قرآن اور سنت ہو، اور ریاست اندرون ملک اسلامی احکام کے نفاذ کی پابند ہو اور اسے پوری دنیا تک پہنچائے۔ لیکن جب قوانین انسانوں کے بنائے ہوئے دساتیر سے لیے جائیں، دین کو حکومت سے الگ کر دیا جائے، اور پالیسیوں کو بیرونی احکامات کے تابع کر دیا جائے، تو پھر نام نہاد "مکمل آزادی" کی باتیں محض رسمی بن کر رہ جاتی ہیں۔

آج کی کشمکش محض اثر و رسوخ کی جنگ نہیں بلکہ دو ماڈلز کے درمیان ایک تہذیبی تصادم ہے: ایک سرمایہ دارانہ ماڈل جو صرف مادی فائدے اور محدود مفاد پر مبنی ہے، اور دوسرا اسلامی ماڈل جو عقیدے پر قائم ہے اور سیاست کو شرعی احکام کے مطابق لوگوں کے معاملات کی دیکھ بھال قرار دیتا ہے۔ چنانچہ حقیقی آزادی موجودہ فریم ورک کے اندر کچھ پالیسیوں کی جزوی تبدیلی سے حاصل نہیں ہو سکتی، بلکہ خود اس ڈھانچے کو جڑ سے تبدیل کرنے سے ہی ممکن ہے۔

جدید استعمار کا توڑ جذباتی نعروں یا وقتی ردعمل سے ممکن نہیں، بلکہ اس کے لیے ایک ایسے اصولی سیاسی منصوبے کی ضرورت ہے جو ریاست کی تعمیرِ نو اسلام کی بنیاد پر کرے۔ ایک ایسا منصوبہ جو حاکمیت شریعت کو دے اور اقتدار امت کے سپرد کرے، اور ایک ایسا خود مختار معاشی نظام قائم کرے جو سود کے خاتمے، قدرتی وسائل کی عوامی ملکیت اور دولت کی منصفانہ تقسیم پر مبنی ہو، اور سیاسی فیصلوں کو استعماری بین الاقوامی اداروں کی غلامی سے آزاد کرائے۔

یہ مقصد موجودہ جغرافیائی تقسیم (قومی ریاستوں) کے سائے میں حاصل نہیں ہو سکتا، کیونکہ چھوٹا ملک ہمیشہ دباؤ اور بلیک میلنگ کا شکار رہے گا۔ اصل طاقت امت کی وحدت میں ہے، یعنی ایک ایسی واحد سیاسی ریاست کے وجود میں جو امت کی انسانی، معاشی اور فوجی توانائیوں کو اکٹھا کر دے اور اسے بین الاقوامی معاملات میں ایک اہم اور ناقابلِ تسخیر قوت بنا دے۔ اسی لیے خلافتِ راشدہ علیٰ منہاج النبوۃ کا قیام کوئی محض تاریخی یا جذباتی مسئلہ نہیں، بلکہ فیصلوں کی آزادی اور حقِ حاکمیت کی واپسی کے لیے ایک سیاسی ضرورت ہے۔

حقیقت نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ فوجیں تو پیچھے ہٹ سکتی ہیں، لیکن غلبہ تب تک باقی رہتا ہے جب تک اس کی فکری اور سیاسی بنیادوں کو جڑ سے نہ اکھاڑ دیا جائے۔ وہ استعمار جو قرضوں، معاہدوں اور فکری وابستگیوں کے ذریعے کام کرتا ہے، وہ فوجی استعمار سے بھی زیادہ خطرناک ہو سکتا ہے؛ کیونکہ یہ ریاست کے ثقافتی، قانونی اور معاشی ڈھانچے میں سرایت کر جاتا ہے، اور اشرافیہ و نسلِ نو کے شعور کی نئی صورت گری کرتا ہے۔

آج امتِ مسلمہ کو خود سے جو بنیادی سوال پوچھنا چاہیے وہ یہ ہے کہ: اصل میں فیصلے کا اختیار کس کے پاس ہے؟ کیا ان عوام کے پاس جو اسلام کے مطابق حکمرانی چاہتے ہیں، یا بین الاقوامی سرمایہ دارانہ نظام کے پاس؟ اس کشمکش کی نوعیت کو سمجھنا آزادی کی راہ میں پہلا قدم ہے۔ جبکہ فیصلہ کن مرحلہ ایک ایسی جامع سیاسی ریاست کے قیام کے لیے شعوری اور منظم جدوجہد ہے جو امت کو اس کی وحدت واپس دلائے، اسے غلامی کے دائرے سے نکال کر حاکمیت کے مقام پر فائز کرے، اور اسے فیصلوں کی تعمیل کرنے والے کے بجائے "لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ" کے پرچم تلے فیصلے صادر کرنے والے کے مقام پر کھڑا کر دے۔

ولایہ مصر میں حزب التحریر کے میڈیا آفس کے رکن

سیاسی فیصلے کی خود مختاری، طاقت کی بنیاد ہے

تحریر: استاد نبیل عبدالکریم

(ترجمہ)

معاشی مفادات، فوجی اتحادوں اور میڈیا کے توازن کے پیچیدہ جالوں میں گھری اس دنیا میں، سیاسی فیصلہ اب ماضی کی طرح محض ایک داخلی اور نجی معاملہ نہیں رہا۔ آج ایک ریاست ایک ایسے وسیع بین الاقوامی نظام کے اندر حرکت کرتی ہے جو کبھی اس پر دباؤ ڈالتا ہے اور کبھی اسے اپنے اندر سمو لینے کی کوشش کرتا ہے، یہی وجہ ہے کہ عصری بین الاقوامی تعلقات میں سیاسی فیصلے کی خود مختاری سب سے زیادہ بحث طلب تصورات میں سے ایک بن گئی ہے۔

فیصلے کی خود مختاری کا مطلب دنیا سے کٹ جانا یا تعلقات منقطع کر لینا نہیں ہے، بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ ریاست اپنی داخلی اور خارجی پالیسیاں کسی براہ راست یا بالواسطہ بیرونی حکم کے بجائے، اپنے وژن اور ذاتی مفادات کے مطابق طے کرنے کی صلاحیت رکھتی ہو۔ یہ بات اس سے قطع نظر ہے کہ آیا ریاست کوئی خاص نقطہ نظر رکھتی ہے یا نہیں، اہم بات

یہ ہے کہ وہ کسی ایک بین الاقوامی محور کی تابعداری کے بغیر اپنی خارجہ پالیسی مرتب کرتی ہے، عالمی مالیاتی دباؤ کے باوجود معاشی فیصلے لیتی ہے، اور اپنی مخصوص سیاسی و ثقافتی شناخت کو برقرار رکھتی ہے یا نہیں۔

لیکن یہ خود مختاری ہمیشہ ایک بنیادی سوال پیدا کرتی ہے: کیا اسے کسی قیمت کی ادائیگی کے بغیر حاصل کیا جا سکتا ہے؟

عصری عالمی نظام بڑی حد تک معاشی اور ادارہ جاتی باہمی ربط پر مبنی ہے، اور جب کوئی ریاست ایک مختلف راستہ اختیار کرنے کا فیصلہ کرتی ہے، تو بسا اوقات اسے موجودہ اثر و رسوخ کے توازن کے لیے ایک چیلنج کے طور پر دیکھا جاتا ہے۔

یقیناً بڑی طاقتوں کے لیے، خاص طور پر امریکہ کے معاملے میں جو خود کو عالمی اثر و رسوخ میں واحد طاقت پاتا ہے، کوئی بھی ایسا سیاسی ماڈل جو مکمل طور پر خود مختار ہو، تشویش کا باعث بن سکتا ہے۔ بشرطیکہ وہ اپنی سرحدوں سے باہر اثر انداز ہونے یا دوسرے ممالک کو کوئی فکری یا اسٹریٹجک متبادل فراہم کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو۔ اسی لیے یہ ٹکراؤ اکثر بالواسطہ ہوتا ہے، جو کھلی فوجی لڑائی کے بجائے پابندیوں یا سفارتی دباؤ کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔

فیصلے کی خود مختاری محض ایک سیاسی اعلان نہیں ہے، بلکہ یہ ایک طویل منصوبہ ہے جس کے لیے اندرونی عوامی قبولیت اور تنہائی کو کم کرنے کے لیے کثیر جہتی تعلقات استوار کرنے کی صلاحیت درکار ہوتی ہے۔ ایک باہم مربوط دنیا میں مطلق خود مختاری ایک بوجھ بن سکتی ہے اگر اس کے ساتھ سفارتی لچک موجود نہ ہو، جبکہ دوسری طرف مکمل تابعداری ریاست کو اپنے مفادات کے تحفظ کی صلاحیت سے محروم کر دیتی ہے۔ چونکہ دنیا معاشی، سکیورٹی اور میڈیا کے لحاظ سے ایک باہم جڑا ہوا جال بن چکی ہے، اس لیے ممکن ہے کہ ایک ریاست سیاسی طور پر تو خود مختار ہو لیکن وہ عالمی منڈیوں، ٹیکنالوجی یا فوجی اتحادوں سے جڑی ہوئی ہو۔

سوال: ریاستیں بین الاقوامی نظام کے خلاف بغاوت کیوں نہیں کرتیں؟

مکمل بغاوت کا عملی مطلب عالمی تجارتی قوانین سے دستبرداری، بین الاقوامی اداروں کو مسترد کرنا اور تقریباً مکمل بینکنگ تنہائی کا سامنا کرنا ہے، جس کے نتیجے میں شدید مہنگائی پیدا ہوتی ہے اور ٹیکنالوجی، ادویات اور بعض اشیائے خورد و نوش کی درآمد میں مشکلات پیش آتی ہیں، اور یوں ایک بڑا داخلی معاشی دباؤ پیدا ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ ریاستیں جو ایک مضبوط خود مختار بیانیہ پیش کرنے کی کوشش کرتی ہیں، وہ بھی معاشی تباہی سے بچنے کے لیے اکثر بین الاقوامی نظام کے ساتھ رابطے کی کوئی نہ کوئی کھڑکی کھلی رکھتی ہیں۔

ریاستیں اس قسم کا (خود مختار) فیصلہ لینے کے قابل اس وقت ہوتی ہیں جب ان کے پاس ایک خود کفیل معیشت ہو، مقامی صنعت کے ساتھ جدید ٹیکنالوجی کی بنیادیں موجود ہوں، اور محاصرے کی صورتحال سے مطابقت پیدا کرنے کے لیے طویل مدتی داخلی عوامی آمادگی موجود ہو۔ مزید برآں، اتحاد کے ایسے نیٹ ورکس یا پھیلاؤ کے راستے کھلے ہوں جو کسی ایک فریق پر منحصر نہ ہوں، اور ایک ایسی آئیڈیالوجی موجود ہو جو رائج بین الاقوامی نظام کے خلاف ہو اور اپنی ساخت کی خوبصورتی، وسعت اور انصاف کی بدولت پہلے ہی لمحے سے موجودہ عالمی نظام کی ناکامی کو آشکار کر دے۔

اگر مسلمان حکمرانوں کی خیانت نہ ہوتی تو بہت سی ایسی ریاستیں ہوتیں جو سیاسی خود مختاری کی صلاحیت رکھتیں، کیونکہ مسلم ممالک کے پاس حقیقی صلاحیت موجود ہے۔ اگر انہیں یہ موقع ملے کہ وہ اسلامی آئیڈیالوجی کو اپنے نظامِ زندگی (منہج) کے طور پر اپنائیں اور مغرب اور اس کے نظام سے اپنے تعلقات مکمل طور پر منقطع کر لیں، تو ان کی سیاسی خود مختاری ایک ناگزیر حقیقت بن جائے گی۔ ہم یہاں صرف مثال کے طور پر دو ممالک کا ذکر کرتے ہیں:

ترکی: اس کے پاس وہ سب کچھ موجود ہے جو اسے دنیا کی قیادت کے قابل بنا سکتا ہے، بشرطیکہ وہ اسلامی آئیڈیالوجی کو اپنائے، امریکہ کو للکارے اور اپنے گرد مسلمانوں کو اکٹھا کر لے۔ تو وہ اپنے ابتدائی دنوں ہی میں امتِ مسلمہ کی رہبر اور دنیا کی صفِ اول کی طاقت بن جائے گا۔ لیکن بڑی رکاوٹ یہ ہے کہ عوام پر مسلط یہ حکمران جو انہیں مغرب کی خدمت اور اس کے منصوبوں کے لیے ہانک رہے ہیں، وہ خائن ہیں اور اپنے فیصلے کرنے کا اختیار نہیں رکھتے۔

ایران: یہ ملک طویل عرصے سے محاصرے میں ہے اور اس نے سیاسی خود مختاری حاصل کیے بغیر اس کی قیمت بھی ادا کی ہے۔ اگر مسلمان ایرانی عوام اس خائن نظام کا تختہ الٹ دیں، جو بظاہر تو طاقت دکھاتا ہے لیکن اندر سے خیانت اور کمزوری میں گھرا ہوا ہے، تو امریکہ کبھی اپنے بحری بیڑے یہاں لانے کی جرات نہ کرتا، اگر اسے یہ یقین نہ ہوتا کہ ایران (دشمنی کے باوجود) ان جنگی جہازوں کا محافظ ہے۔ ایران امریکہ پر کاری ضرب لگانے کا فیصلہ کرنے کی طاقت نہیں رکھتا کیونکہ وہ خائن ہے۔

لیکن اگر مسلمان عوام حرکت میں آئیں، اپنے صحیح عقیدے سے گرد و غبار جھاڑیں، اپنے نبی کریم ﷺ کے نقشِ قدم (منہج) کی طرف لوٹیں، اس نظام کو اکھاڑ پھینکیں اور ایک (اسلامی) آئیڈیالوجی اپنا لیں، تو ہم دیکھیں گے کہ امریکہ کس طرح اپنے حساب کتاب تبدیل کرتا ہے اور اپنے بحری بیڑے واپس نکال لے جاتا ہے۔ یہ صرف خوف کی وجہ سے نہیں ہو گا، بلکہ اس لیے ہو گا کہ اب نئی ریاست کا فیصلہ اس کے ہاتھ میں نہیں ہو گا، اور وہ خود کو ایک طویل عرصے کے بعد

ایک ہاری ہوئی جنگ میں پائے گا۔ افسوس کہ یہی مسلمان حکمرانوں کا حال ہے، نہ کسی کے پاس اپنا فیصلہ ہے اور نہ ہی کسی کو حقیقی اقتدار حاصل ہے۔

اور یہ قدم سوائے 'ریاستِ اسلام' کے کوئی نہیں اٹھا سکتا، کیونکہ یہ ایک ربانی نظریے کی حامل ہے جو فیصلے کی خود مختاری پر اصرار کرتی ہے، اور اس بات پر بھی کہ یہ فیصلہ ایک مخصوص نقطہ نظر یعنی اسلام کی بنیاد پر ہو۔ عالمِ اسلام کے تمام مسلمان اس ریاست کو زوال سے بچانے کے لیے اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کرنے کو تیار ہیں، جب اللہ اس کے ظہور کا اذن دے گا۔ کیونکہ یہی وہ واحد ریاست ہے جو نہ صرف موجودہ بین الاقوامی نظام کی مخالفت کرے گی، بلکہ صرف وہی اس نظام کی طرف واپسی کی ہولناکیوں کو بے نقاب کرنے کی صلاحیت رکھتی ہے۔ یہ ریاست وہ انصاف اور رحمت عام کرے گی جو انسان کے شایانِ شان ہے، حقداروں کو ان کے حقوق لوٹائے گی اور اجارہ داری کا خاتمہ کرے گی۔ یہ وہ واحد ریاست ہے جو تمام سمتوں میں تیزی سے پھیلنے کی صلاحیت رکھتی ہے، کیونکہ اس کے وسائل، تجربات، زمینیں اور عوام ابتدائی مرحلے میں ثابت قدمی کے لیے کافی ہیں۔

اور یقیناً جب تک اللہ اس ریاست کے ظہور کا اذن نہیں دیتا، اس کے لیے ایسے مردِ کار ہونے چاہئیں جنہوں نے اس کے نظریے کو اپنے وجود کا حصہ بنالیا ہو اور اسے اپنے درمیان نافذ کرنے کے لیے کام کیا ہو، اپنے تعلقات کی بنیاد اسی کو بنایا ہو، اور اس کام کے لیے وہ تمام تیاریاں کرلی ہوں جو مطلوب ہیں۔ وہ ان شاء اللہ تیار ہیں اور حالات سے فائدہ اٹھانے اور اسلامی زندگی کے دوبارہ آغاز کے لیے اپنی پوری قوت صرف کررہے ہیں۔

چنانچہ حزب التحریر کے نوجوان دن رات ایک کیے ہوئے ہیں، اور وہ اس اسلامی کشتی کی قیادت سنبھالنے کی بہترین صلاحیت رکھتے ہیں تاکہ یہ عالمی سطح پر اپنا مقام دوبارہ حاصل کرلے اور دوبارہ دنیا پر اللہ کے احکامات کے مطابق حکمرانی کرے، اور ان شاء اللہ بین الاقوامی سیاست کی قیادت سنبھال لے۔ یوں رسول اللہ ﷺ کی یہ بشارت پوری ہو جائے گی: **«ثُمَّ تَكُونُ خِلَافَةً عَلَى مِنْهَاجِ النُّبُوَّةِ»** "پھر نبوت کے نقشِ قدم پر خلافت ہو گی"

جنوب ایشیا کا بدلتا ہوا میدانِ جنگ افغانستان اور پاکستان کے درمیان تصادم

تحریر: ڈاکٹر عبد الرحمن عرفان – ولایہ افغانستان

(ترجمہ)

افغانستان اور پاکستان کے درمیان جاری تنازعہ مسلسل تیسرے ہفتے میں داخل ہو چکا ہے، جس میں لڑائی کی شدت میں اتار چڑھاؤ آ رہا ہے۔ یہ تصادم رمضان المبارک کے مقدس مہینے کے ساتھ ساتھ ایک ایسے وقت میں ہو رہا ہے جب اسلامی ممالک کے دیگر خطوں میں امریکہ اور صیہونی وجود کی جانب سے ایران کے خلاف ایک اور جنگ مسلط ہے۔ اس صورتحال کی وجہ سے افغانستان اور پاکستان کے درمیان پیدا ہونے والے اس بحران کی طرف توجہ کم ہو گئی ہے، باوجود اس کے کہ اس کے انسانی اور حفاظتی نتائج انتہائی سنگین ہیں۔

پاکستان نے اپنی اس کارروائی کو "غضب للحق" کا نام دیا ہے، جبکہ جواب میں طالبان حکومت نے اپنی کارروائی کا عنوان "ردِ ظلم" رکھا ہے۔ قطر، ترکی اور سعودی عرب جیسے ممالک، جنہوں نے ماضی میں جنگ بندی کرانے میں اہم کردار ادا کیا تھا، اب دیگر بحرانوں اور ترجیحات میں مصروف ہیں۔ میڈیا کی اس عدمِ توجہ کا براہ راست اثر پڑا ہے، جسے پاکستان نے طالبان حکومت کے خلاف مزید سخت حملے کرنے کے لیے ایک موقع کے طور پر استعمال کیا ہے۔

اگرچہ پاکستان کا دعویٰ ہے کہ ان کارروائیوں کا مقصد تحریک طالبان پاکستان (TTP) کی پناہ گاہوں کو نشانہ بنانا ہے، لیکن زمینی حقائق بتاتے ہیں کہ ان کا ہدف افغان طالبان ہیں۔ پاکستان کی جنگی حکمتِ عملی کا زیادہ تر انحصار فضائی طاقت پر ہے، جس میں اسلحہ کے گوداموں، فوجی ڈھانچے اور تنصیبات پر بمباری، اور ڈرون طیاروں کے ذریعے نگرانی شامل ہے۔ یہ طالبان حکومت کی فوجی صلاحیتوں کو کمزور کرنے کی ایک دانستہ کوشش ہے۔

یہ طریقہ کار کسی حد تک اس انداز سے ملتا جلتا ہے جو یہودی وجود نے حالیہ برسوں میں شام اور لبنان میں اپنایا ہے، جہاں وہ بنیادی ڈھانچے کو بتدریج تباہ کرنے کے لیے مسلسل اور درست نشانے والے فضائی حملے کرتی ہے۔ اس کے برعکس، طالبان حکومت نے اپنے دفاع کے لیے زیادہ تر زمینی حکمتِ عملی پر بھروسہ کیا ہے۔

افغانستان پر بمباری کے ذریعے پاکستان کے مقاصد:

۱-سیاسی اور حفاظتی رویے میں تبدیلی کے لیے طالبان حکومت پر دباؤ ڈالنا

پاکستان کو افغان طالبان سے شکایات ہیں۔ پاکستان کی یہ توقع تھی کہ طالبان کے دوبارہ اقتدار میں آنے سے افغانستان میں اس کے اسٹریٹجک اور سیاسی مفادات خود بخود محفوظ ہو جائیں گے۔ لیکن طالبان نے نہ صرف پاکستان کے مطالبات ماننے سے انکار کیا، بلکہ بعض شعبوں میں زیادہ آزادانہ راستہ اختیار کیا، اور بھارت کے ساتھ ان کے عملی و سیاسی تعلقات پاکستان کے نقطہ نظر سے شدید تشویش کا باعث بن گئے۔ اس لیے پاکستان فوجی دباؤ کے ذریعے طالبان حکومت کا رویہ تبدیل کرنا چاہتا ہے۔ ایک طرف تو یہ طالبان حکومت کو تحریک طالبان پاکستان پر حقیقی دباؤ ڈالنے پر مجبور کرتا ہے، اور دوسری طرف اسے اپنی خارجہ پالیسی اور علاقائی تعلقات کی تشکیل میں پاکستان کے تحفظات اور مفادات کا زیادہ خیال رکھنے پر اکساتا ہے۔

۲-طالبان حکومت کو کمزور کرنا

یہ فوجی مہم امریکی اہداف کے بھی عین مطابق ہے۔ امریکہ طالبان حکومت کو دباؤ میں لا کر بعض معاملات پر لچک دکھانے پر مجبور کرنا چاہتا ہے، اور ساتھ ہی انہیں چین اور روس کے بہت زیادہ قریب جانے سے روکنا چاہتا ہے۔ اس تناظر میں، طالبان حکومت کی فوجی طاقت کو کمزور کرنا، بلکہ افغانستان میں امریکی افواج کے ذلت آمیز انخلاء کے بعد پیچھے رہ جانے والے آلات اور صلاحیتوں کے ایک حصے کو تباہ کرنا، امریکہ کے لیے ایک مطلوبہ نتیجہ سمجھا جاتا ہے، خاص طور پر جب ٹرمپ بارہا ان آلات کی واپسی کی بات کر چکے ہیں۔ اس نقطہ نظر سے، پاکستان درحقیقت وہ کامیابی حاصل کر رہا

ہے جس کی امریکہ کو شدید خواہش ہے۔ ٹرمپ نے حالیہ تنازعہ میں پاکستان کی انتظامی اور عسکری قیادت کی تعریف کرتے ہوئے کہا کہ: "پاکستان طالبان کا مقابلہ کرنے میں بہت اچھا کام کر رہا ہے"۔

۳۔ بیرونی بحرانوں کا سیاسی استحصال

سن ۲۰۲۵ میں، پاکستان کی خارجہ پالیسی امریکہ اور عرب ممالک کے ساتھ تعلقات کی بحالی اور اپنے علاقائی کردار کی از سرِ نو تعمیر میں کسی حد تک کامیاب رہی۔ تاہم، داخلی محاذ پر اسے شدید ناکامیوں کا سامنا کرنا پڑا۔ ایسی صورتحال میں، برسرِ اقتدار لوگوں کے لیے بیرونی محاذ کھولنا عوامی توجہ کو داخلی بحرانوں سے ہٹا کر کسی بیرونی خطرے کی طرف مبذول کرنے کے لیے مفید ثابت ہو سکتا ہے۔ ماضی میں بھارت یہ کردار ادا کرتا تھا؛ لیکن اب افغانستان بتدریج بحران کی منتقلی کے ایسے ہی ایک مرکز میں تبدیل ہو رہا ہے۔

افغان مجاہدین اور پاکستانی فوج کے درمیان تصادم محض کوئی سرحدی یا حفاظتی تنازعہ نہیں ہے، بلکہ یہ بڑی طاقتوں کے درمیان مقابلے اور علاقائی سیاسی حرکیات کے ایک وسیع تر فریم ورک کے تحت پروان چڑھ رہا ہے۔ دہائیوں سے جنوبی ایشیا کی پہچان پاک بھارت کشیدگی کا محور یعنی 'کشمیر' رہا ہے۔ لیکن اب اس کشیدگی کی جگہ پاک افغان تناؤ یعنی 'ڈیورنڈ لائن' لے رہی ہے۔ یہ تبدیلی امریکی علاقائی پالیسی کے عین مطابق ہے جس کا مقصد پاک بھارت دشمنی کی شدت کو کم کر کے اسے پاکستانی قبائلی علاقوں اور افغانستان کی طرف موڑنا ہے۔ فریقین کے درمیان باہمی بے اعتمادی اور شکوک و شبہات کے پیشِ نظر، یہ امکان کم ہی ہے کہ ان کے درمیان تناؤ جلد ختم ہو جائے، بلکہ یہ ایک کبھی نہ ختم ہونے والی اعصاب شکن جنگ کی طرح دکھائی دیتا ہے۔

تاریخی طور پر، ماہِ رمضان امتِ مسلمہ کے لیے اپنے دشمنوں کے خلاف فتوحات اور بڑی فوجی کامیابیوں کا مہینہ رہا ہے۔ لیکن افسوس کے ساتھ، آج مسلمان خود کو قوم پرستی کے جذبے سے بھڑکائی گئی جنگوں میں ایک دوسرے کا خون بہاتے ہوئے پاتے ہیں، ایسی جنگیں جو آخر کار امریکہ، بھارت اور پاک فوج کے اندر ایک مخصوص گروہ کے مفادات کی خدمت کرتی ہیں۔ افغان مجاہدین اور پاکستانی فوج کے مخلص افسران کو خونریزی کے اس سلسلے کو بند کرنا چاہیے اور ان کے دونوں ممالک کے درمیان برطانوی استعمار کی کھینچی ہوئی سرحدوں کو ختم کرنے کے لیے کام کرنا چاہیے، تاکہ انہیں نبوت کے نقشِ قدم پر قائم دوسری خلافتِ راشدہ کے سائے تلے دیگر مسلم ممالک کے ساتھ متحد کیا جا سکے۔

مسلمان کس چیز کا انتظار کر رہے ہیں جبکہ ان کے پاس ان کے رب کی شریعت موجود ہے؟!

آج مسلمانوں کو کمزور اور ذلیل کر دیا گیا ہے، ان کے وسائل لوٹ لیے گئے ہیں، انہیں ہر طرح سے غلامی کی زنجیروں میں جکڑ دیا گیا ہے اور ان سے وہ حقوق چھین لیے گئے ہیں جو انہیں ان کے رب سبحانہ و تعالیٰ نے عطا کیے تھے۔ وہ اس میدانِ عمل سے کیوں غائب ہیں جس کے وہ خود مالک ہیں، جبکہ کافر مغرب اس پر قابض ہونے کے لیے دست و گریباں ہے اور غدار حکمرانوں نے اس سے دستبرداری اختیار کر لی ہے؟!

مسلمان آخر کس چیز کا انتظار کر رہے ہیں جبکہ ان کے پاس ایمان جیسی دولت موجود ہے جو نصرت اور رعب و دبدبے کا سب سے مضبوط ستون ہے؟ وہ ان قوتوں کے خلاف میدانِ کارزار میں کیوں نہیں اترتے جو ان کے خلاف متحد ہو چکی ہیں؟ اور ان کی رگوں میں اسلامی حمیت (غیرت) کیوں نہیں دوڑتی؟!

اگر کوئی گہری سوچ بچار کے بغیر بھی دیکھے تو اسے ادراک ہو جائے گا کہ یہ حکمران ٹولے ہی امت کی تمام مصیبتوں کا سبب ہیں۔ انہوں نے ہمارے ملکوں کی فضائی حدود کو امریکہ اور یہودی ریاست کے لیے چراگاہ بنا دیا ہے جہاں وہ اپنی مرضی سے دندناتے پھرتے ہیں، جبکہ ہماری افواج کو بیڑیاں پہنا کر انہیں دشمن کو روکنے سے باز رکھا ہوا ہے۔ یہ حکمران حق کی آواز کو دباتے ہیں اور ہمارے خون کو استعماری کافروں کے منصوبوں کے لیے ارزاں (سستا) پیش کرتے ہیں۔

امتِ مسلمہ کے پاس زنجیریں اور رکاوٹیں توڑنے کے سوا اب کوئی دوسرا راستہ نہیں۔ یعنی وہ مصنوعی سرحدیں جو استعمار نے ان کے ملکوں کے درمیان انہیں تقسیم کرنے کے لیے بنائی ہیں اور وہ غدار حکمران جو ان سرحدوں کی چوکیداری کر رہے ہیں۔ اولین فرائض میں سے ہے کہ امت متحد ہو جائے اور اپنے اقتدار کی واپسی اور نبوت کے نقشِ قدم پر خلافتِ راشدہ ثانی کے قیام کے لیے ایک پختہ موقف اختیار کرے۔ وہ ریاست جو اللہ کے کلمے کی سربلندی کے لیے اللہ کی راہ میں جہاد کا اعلان کرے، کفر اور اس کے ماننے والوں کو شکست دے، اور امریکہ کو اس کے اپنے گھر میں واپس دھکیل دے، اگر اس کا کوئی گھر باقی رہا تو۔

حقیقی خود مختاری اللہ سے ڈرنے والے حکمرانوں کی متقاضی ہے

حزب التحریر / ولایہ بنگلہ دیش نے جمعہ 6 مارچ 2026 کو نمازِ جمعہ کے بعد ڈھاکہ اور چٹاگانگ کی مختلف مساجد کے گرد و نواح میں متعدد احتجاجی مظاہرے منظم کیے، جن کا مقصد تجارتی معاہدوں کی آڑ میں نافذ کیے جانے والے امریکی استعماری منصوبے کو مسترد کرنا تھا۔ ان مظاہروں میں مقررین نے امریکی نائب وزیر خارجہ، پال کپور کی ڈھاکہ آمد کے تناظر میں ملک کے اسٹریٹجک مستقبل پر گہری تشویش کا اظہار کیا، کیونکہ پارلیمانی انتخابات کے ایک ماہ سے بھی کم عرصے کے بعد ہونے والا یہ دورہ، دو خطرناک دفاعی معاہدوں: "عسکری معلومات کی حفاظت کا عمومی معاہدہ" اور "باہمی حصول اور خدمات کا معاہدہ" کو جلد از جلد انجام دینے کی شدید امریکی کوششوں کا عروج ہے۔ مقررین نے اس دورے کو خالصتاً معاشی اور تجارتی فریم ورک میں پیش کرنے کو کھلا نفاق یا حد درجہ سادگی قرار دیا۔

مقررین نے کہا: ہم کہتے ہیں کہ ہمارے حکمرانوں کو اس وہم سے پیچھا چھڑا لینا چاہیے کہ ان کی سیاسی بقا واشنگٹن کی رضا مندی پر منحصر ہے۔ کیونکہ امریکی سرپرستی اپنی فطرت میں ناپائیدار ہے۔ جیسا کہ ایران کے ساتھ حالیہ تنازع کے دوران ایک سعودی اہلکار نے انکشاف کیا کہ واشنگٹن نے خلیج میں اپنے ان اتحادیوں کو تنہا چھوڑ دیا جنہوں نے یہودی وجود کے تحفظ کے لیے مستقل امریکی فوجی اڈوں کی میزبانی کر رکھی ہے۔ تاریخ اس بار بار دہرائے جانے والے طرزِ عمل کی تصدیق کرتی ہے: جیسا کہ صدام حسین، حسنی مبارک اور بنگلہ دیش میں حسینہ کے ساتھ ہوا، جنہیں امریکہ کے مفادات کی وفاداری سے خدمت کرنے کے بعد ٹشو پیپر کی طرح ایک طرف پھینک دیا گیا۔

فتنے کے دور اور باطل کے غلبے میں تبدیلی کے لیے مسلمان کی کوشش ایک عظیم عبادت ہے

حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: **«الْعِبَادَةُ فِي الْهَرْجِ كَهِجْرَةٍ إِلَيَّ»** "فتنہ و فساد (ہرج) کے زمانے میں عبادت کرنا میری طرف ہجرت کرنے کے برابر ہے" (مسلم)۔ امام احمد کی روایت میں "فتنہ وفساد میں عمل" کے الفاظ ہیں، جبکہ امام طبرانی کی المعجم الکبیر میں "فتنے کے زمانے میں عبادت" کے الفاظ آئے ہیں۔

فتنے کے دور میں، جب ہر طرف فساد اور باطل کا دور دورہ ہو اور لوگ بے مقصدیت اور بھٹکنے کا شکار ہوں، تو ایک مسلمان کا حق پر ثابت قدم رہنا اور تبدیلی کے لیے کام کرنا ایک عظیم عبادت بن جاتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ ہمیں بتاتے ہیں کہ اللہ کے نزدیک اس کا مقام اللہ کی راہ میں ہجرت کرنے جیسا ہے۔ یہ ایک عظیم حدیث ہے جو ہمیں بتاتی ہے کہ بڑے اجر بڑے کاموں سے ہی ملتے ہیں، اور فتنوں میں ثابت قدمی اور اس وقت کام کرنا جب لوگ فضولیات میں مگن ہوں، انہی بڑے کاموں میں سے ایک ہے۔ یہ ایک اہم نکتہ ہے جو بصیرت رکھنے والوں کو بتاتا ہے کہ اسلام عمل، ایثار اور تبدیلی کا دین ہے۔ یہ حرکت کا دین ہے نہ کہ جمود کا، اور قربانی کا دین ہے نہ کہ سستی کا۔ یہ دین عمل پر ابھارتا ہے اور ہاتھ پر ہاتھ دھر کر بیٹھنے، عجز و انکساری اور بہانے بازی کو ناپسند کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس امت کو بہترین امت اسی لیے قرار دیا کیونکہ یہ نیکی کا حکم دیتی ہے، برائی سے روکتی ہے اور اس سے پہلے اللہ پر ایمان رکھتی ہے۔

چنانچہ مومن کا حال یہی ہے: علم اور عمل، ایسا ایمان جس کی تصدیق اس کے اعضاء ہر حال میں اور اپنی امت کے حق میں ایک فعال عمل کے ذریعے کریں یہاں تک کہ وہ اپنی جان اپنے پیدا کرنے والے کے سپرد کر دے۔ وہ رسول اللہ ﷺ کی اس حدیث کی روشنی سے رہنمائی حاصل کرتا ہے جسے امام احمد اور دیگر نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: **«إِنْ قَامَتْ السَّاعَةُ وَبِيَدِ أَحَدِكُمْ فَسِيلَةٌ، فَإِنْ اسْتَطَاعَ أَنْ لَا يَقُومَ حَتَّى يَغْرِسَهَا فَلْيَفْعَلْ»** "اگر قیامت قائم ہو جائے اور تم میں سے کسی کے ہاتھ میں پودا ہو، اور وہ اسے لگانے سے پہلے نہ اٹھ سکے تو اسے چاہیے کہ وہ پودا لگا دے"۔

فلسطین تیسرے منصوبے کے انتظار میں ہے

تحریر: استاد عبد الرحمن اللداوی

(ترجمہ)

1967ء میں یہودیوں کے مغربی کنارے پر غاصبانہ قبضے کے بعد سے مسئلہ فلسطین دو منصوبوں یا دو پلانوں کے درمیان گھرا ہوا ہے۔ پہلا امریکی منصوبہ ہے جس کا مقصد بین الاقوامی قوانین اور اداروں کے فریم ورک کے اندر ایک فلسطینی ریاست کا قیام ہے، جبکہ دوسرا یہودیوں کا منصوبہ ہے، جس کا مقصد مغربی کنارے کی زمینوں پر مکمل قبضہ اور تسلط حاصل کرنا ہے۔

جبکہ پہلا منصوبہ دہائیوں سے صرف ہوا میں، میڈیا کی فضاؤں، سیاسی اقدامات اور کانفرنسوں کے ایوانوں تک محدود ہے اور ان سے آگے نہیں بڑھ سکا، اس کے برعکس یہودی وجود کا منصوبہ عملی طور پر زمین پر روزانہ کی بنیاد پر بلا تعطل جاری ہے۔ یہودی مغربی کنارے پر تسلط حاصل کرنے کی کوشش کر رہے ہیں اور اس کی حقیقت کو "بین الاقوامی قوانین" کے مطابق ایک متنازعہ مقبوضہ زمین سے بدل کر اپنے جغرافیے کا حصہ بنانا چاہتے ہیں۔ ان کا مقصد یہ ہے کہ فلسطین کی

سرزمین سمندر سے لے کر دریا تک صرف ان کے لیے ایک "یہودی ریاست" بن جائے، جس میں کسی اور کا کوئی ٹھکانہ نہ ہو، اور نام نہاد فلسطینی ریاست کے قیام کی راہ روکی جا سکے۔ یہ وہ معاملہ ہے جس پر اب یہودی وجود کی تمام قوتیں، سیاست دان اور ان کے عوام متفق ہو چکے ہیں۔

اس مقصد کے حصول کے لیے یہودی وجود نے شروع ہی سے مغربی کنارے کے جغرافیہ اور آبادیاتی تناسب (ڈیموگرافی) کو بدلنے کی کوشش کی، جہاں اس نے آبادکاری (بستیوں کی تعمیر) کے ذریعے فلسطینیوں کے مقابلے میں ایک متوازی وجود کھڑا کرنے کا ارادہ کیا۔ یعنی شہر اور رہائشی بستیاں تعمیر کر کے ایک متبادل قوم تیار کی جا رہی ہے جو ان آبادکاروں پر مشتمل ہے جن کی تعداد بڑھانے اور جن کے وجود کو مضبوط کرنے کے لیے وہ بھرپور تگ و دو کر رہے ہیں۔

دوسری طرف، چونکہ فلسطینی عوام اپنی موجودگی، ثابت قدمی اور اپنی زمین پر ڈٹے رہنے کی وجہ سے یہودی وجود کے منصوبے کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ ہیں، اور آبادی کے لحاظ سے ان کے لیے ایک بڑا مسئلہ بنے ہوئے ہیں، اور چونکہ وہ یہ زمین اس کے باشندوں کے بغیر چاہتے ہیں، اس لیے ان کی پالیسیاں صرف آبادکاری کو مضبوط کرنے تک محدود نہیں رہیں۔ اس کا دوسرا رخ فلسطینیوں کو ان کے گھروں سے اکھاڑ پھینکنے کی کوشش ہے، جس کے لیے ان کی زندگیوں کو انتہائی مشکل بنا کر انہیں ہجرت پر مجبور کیا جا رہا ہے۔ اس مقصد کے لیے تنگی، محاصرہ، گلا گھونٹنے، قتل و غارت، عدم تحفظ، تشدد اور گھروں و پناہ گزین کیمپوں کی مسماری جیسے ہتھکنڈے استعمال کیے جا رہے ہیں۔ اگرچہ جبری بے دخلی تاریخی طور پر ان کے تمام منصوبوں کا ایک بنیادی حصہ رہی ہے، لیکن حال ہی میں اس کی شدت، رفتار اور جرائم میں اضافہ ہوا ہے، جس کی واضح عکاسی زمینوں کے حوالے سے "کابینہ" (کابینٹ) کے حالیہ فیصلوں میں ہوتی ہے۔

جہاں تک فلسطینی اتھارٹی کا تعلق ہے، جس نے فلسطینی ریاست کے امریکی منصوبے کا دامن تھام رکھا ہے اور اسے اپنے "قومی منصوبے" کے طور پر پیش کر کے عوام کو وہم و گمان فروخت کیے ہیں، تو یہودی وجود نے اسے اور اس کی خالق "اوسلو معاہدہ" کو کبھی بھی ایک "فنکشنل" (خدماتی) حیثیت سے بڑھ کر نہیں دیکھا اور اس کے ساتھ ہمیشہ اسی بنیاد پر معاملہ کیا ہے۔ چنانچہ اتھارٹی کو یہودی وجود کی حفاظت کے لیے بطور ایک بنیادی وظیفہ استعمال کیا گیا اور خود اتھارٹی نے بھی اپنی تمام تر توانائیاں اسی کام میں لگا دیں۔ اسی طرح غاصب یہودی وجود نے اسے اپنی جگہ فلسطینیوں کا بوجھ اٹھانے کے لیے استعمال کیا، اسے ایک طرف دفاعی ڈھال اور قابو پانے کے آلے کے طور پر رکھا اور دوسری طرف عوام پر

اپنے دباؤ کو منتقل کرنے کا ذریعہ بنایا۔ اس اتھارٹی کے قوانین، اقدامات اور وہ غدارانہ رویے جو اپنے ہی لوگوں کے قتل تک جا پہنچے، اسی تناظر میں تھے۔ یہاں تک کہ یہ اتھارٹی خود فلسطینی عوام کے لیے ایک ایسا بوجھ بن گئی ہے جس تلے وہ دبے ہوئے ہیں، بالکل اسی طرح جیسے قبضے کے بوجھ انہیں ہجرت پر مجبور کر رہے ہیں۔ جبکہ اتھارٹی اپنا وجود اور بقا اسی ذلیل وظیفے سے وابستہ سمجھتی ہے، شاید یہی وجہ ہے کہ وہ اس گندی ڈیوٹی کو ایک ذہنی تضاد کی حالت میں جاری رکھے ہوئے ہے، باوجود اس کے کہ یہودی روزانہ فلسطینیوں پر انسانیت سوز مظالم ڈھاتے ہیں، بلکہ ان تبدیلیوں کے باوجود جو یہودیوں نے گزشتہ تیس سالوں میں اتھارٹی ہی کے فراہم کردہ پردے تلے زمین پر برپا کی ہیں۔

دنیا جس بدلتے ہوئے حالات سے گزر رہی ہے، اس میں اب تعلقات میں کچھ بھی پائیدار نہیں رہا۔ بین الاقوامی نظام کی ٹوٹ پھوٹ، اور نام نہاد بین الاقوامی قوانین کو پس پشت ڈالنے بلکہ ان کی کھلی توہین اور ان کی جگہ طاقت کے زور اور گٹھ جوڑ کے منطق کے رواج نے فلسطینی ریاست کے منصوبے کو، اگرچہ ختم تو نہیں کیا، لیکن اسے غیر یقینی ضرور بنا دیا ہے۔ کم از کم اس ریاست کی حقیقت، اس کی نوعیت، اس کے جغرافیے بلکہ اس کے قیام کی جگہ کے حوالے سے اب کچھ بھی یقینی نہیں رہا، خاص طور پر ان زمینی حقائق کے بعد جو یہودی وجود نے اس کے امکانات کو ختم کرنے کے لیے پیدا کیے ہیں، اور جس طرح وہ اس کے ساتھ معاملہ کر رہی ہے جہاں اس کے اختیارات کو چھین کر اسے محض ادنیٰ اور ذلیل کرداروں تک محدود اور مسخ کر دیا گیا ہے۔

شاید ابھی تک فلسطین کے مسئلے کو ختم کرنے کے لیے میز پر موجود مغربی منصوبے (جس کی شکل ایک چھوٹی سی فلسطینی ریاست ہے) کا ایک مقصد یہودی وجود کو خود اس کے اپنے ہی شر سے بچانا ہے۔ کیونکہ جب وہ انتہائی ڈھٹائی اور تکبر کے ساتھ پوری زمین کو ہڑپ کرنے اور مسئلہ فلسطین کے وجود کو ہی مٹانے پر تلا ہوا ہے، تو یہ اس کے لیے کوئی آسان لقمہ نہیں ہے، اور یہی چیز اس کے گلے کا پھندا بن سکتی ہے۔

لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ فلسطین اور اس کے رہنے والوں کے لیے آنے والے دن مشکل ہیں، جب تک کہ ان کا مقدمہ اپنے دشمنوں کے دانتوں میں دبا ہوا ہے، اور جب تک کہ امت کا اپنا منصوبہ یہودی وجود اور امریکہ کے منصوبوں کے ملبے پر اپنا کردار ادا کرنے کے لیے سامنے نہیں آتا۔ امت کا یہ منصوبہ پورے فلسطین کی آزادی اور اس ناجائز ریاست کے خاتمے پر مبنی ہے، کیونکہ یہی وہ حل ہے جس کا اسلام تقاضا کرتا ہے اور جس کے احکامات امت پر اسے لازم

کرتے ہیں اور اس کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے۔ فلسطین پوری امت کا مسئلہ ہے، یہ صرف اہل فلسطین کا اکیلا مسئلہ نہیں ہے۔

مگر امت کا یہ منصوبہ اگرچہ نظریاتی طور پر موجود ہے اور اس کے بیٹوں کے دلوں میں پوشیدہ ہے، لیکن عملی طور پر اب تک غائب ہے، اور اس کی وجہ وہ انتظامی قوت کی غیر موجودگی ہے جو اس کی سربراہی کرے اور اس کے لیے حرکت میں آئے، اور اس 'اسلامی ریاست' کی غیر موجودگی ہے جو اس منصوبے کو حقیقت میں بدل دے۔ درحقیقت، خلافت کا قیام امت کا سب سے بڑا منصوبہ ہے جس سے تمام مسائل اور ان کے حل وابستہ ہیں، بشمول فلسطین کی آزادی۔ اگرچہ امت کے پاس موجود طاقت کے بل بوتے پر فلسطین کی آزادی ممکن ہے، لیکن فلسطین کے حالیہ واقعات نے ان سازشی اور استعمار کے غلام حکمرانوں کے سائے میں امت کی بے بسی، مفلوج حالت اور غفلت کو بے نقاب کر دیا ہے۔ ان حالات نے امت کے اس سب سے بڑے منصوبے یعنی 'اسلامی ریاست' کی ضرورت کو مزید پختہ کر دیا ہے جو امت کو استعمار کے تسلط سے چھڑائے، اس کی چھپی ہوئی صلاحیتوں کو بیدار کرے، اس کی زنجیروں میں جکڑی ہوئی فوجوں کو رہا کرے اور اس کے چھینے ہوئے ارادے کو واپس دلائے۔ اس کے بغیر امت اسی طرح ذلت اور بے بسی کی چکی میں پستی رہے گی، ایک مصیبت میں جیے گی اور اگلی مصیبت کا انتظار کرے گی!

حالیہ واقعات نے یہ بھی ثابت کر دیا ہے کہ یہ حل، یعنی پورے فلسطین کی آزادی اور غاصب ریاست کا خاتمہ، دہائیوں سے پیش کیے جانے والے ان مغربی منصوبوں (جیسے دو ریاستی حل) کے مقابلے میں کہیں زیادہ قریب ہے جو بے سود رہے اور جن پر عمل درآمد تک نہ ہو سکا۔ کیونکہ اس غاصب ریاست کی کمزوری، بزدلی اور اس کی طاقت کا کھوکھلا پن اب ظاہر ہو چکا ہے۔ جبکہ ان دونوں سے زیادہ قریب حکمران ایجنٹوں اور جابر نظاموں کا خاتمہ ہے، بشرطیکہ امت اور اس کی قوتیں ان کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنے کے لیے صحیح سمت میں حرکت کریں۔ ان لوگوں کی امت میں کوئی جڑیں نہیں ہیں، ان کے تخت اب خالی ہو چکے ہیں اور ان کی کرسیاں گرنے والی ہیں۔ ظالم چاہے کیسی ہی تصویر کشی کریں، امت کو ہمیشہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کو اپنے پیشِ نظر رکھنا چاہیے: ﴿**أَلَا إِنَّ نَصْرَ اللَّهِ قَرِيبٌ**﴾ "آگاہ رہو! بیشک اللہ کی مدد قریب ہے" (سورۃ البقرۃ: آیت 214)

یہ کوئی فرقہ وارانہ جنگ نہیں بلکہ ایک بھرپور صلیبی جنگ ہے!

تحریر: استاد مناجی محمد

(ترجمہ)

فرزندانِ اسلام کے غیور اور نیک بخت جوانوں کے نام: ایرانی حکومت کے جرائم آپ کی توجہ اس صلیبی جنگ کی حقیقت سے نہ ہٹائیں جسے امریکہ نے اسلام اور امتِ مسلمہ کے خلاف چھیڑ رکھا ہے۔ اس جنگ کا میدان مشرق سے مغرب تک پوری اسلامی جغرافیہ ہے۔ جب صلیبی مغرب اس قابل نہ رہا کہ پوری امت کو ایک ساتھ اپنی آگ میں جھونک دے اور ہمارے پورے جغرافیہ پر ایک ساتھ حملہ کر سکے، تو اس نے اسے ایسی جنگوں میں بدل دیا جو پورے خطے پر محیط ہیں لیکن مختلف وقفوں میں لڑی جا رہی ہیں (افغانستان، عراق، صومالیہ، سوڈان، شام، یمن، غزہ، لبنان، ایران...)۔ ایران کے خلاف جاری موجودہ جنگ دراصل مغرب کی اسی صلیبی جنگ کا ایک حصہ ہے جس کا مقصد ابھرتی ہوئی ہمہ گیر اسلامی لہر اور بڑھتے ہوئے اسلامی تہذیبی منصوبے کا راستہ روکنے کے لیے خطے کی نئے سرے سے تشکیل کرنا ہے۔

امریکہ اور مغرب کا خیال ہے کہ ان کے مقامی مہرے اور استعماری وظیفہ خوار نظام اسلامی چیلنج کا مقابلہ کرنے میں ناکام ہو چکے ہیں۔ اسی لیے امریکہ نے خطے کی از سرِ نو تشکیل اور ان وظیفہ خوار نظاموں کی دوبارہ ڈھانچہ بندی کا منصوبہ بنایا ہے تاکہ انہیں براہِ راست "امریکی استعمار کی ہائی کمشنری" کے ذریعے کالونیوں کے طور پر چلایا جائے۔ یعنی ایسے امریکی سفارت خانے جو حکومتوں کے برابر ہوں اور ایسے سفیر جو امریکی استعمار کے مقامی حکمرانوں کی سطح کے ہوں، جن کے احکامات اور اشاروں پر مقامی نظام چلیں۔ ساتھ ہی خطے میں قابض امریکی فوج کی بھاری موجودگی ان اڈوں کے ذریعے یقینی بنائی جائے گی جو اس کی زمینی و فضائی برتری اور سمندروں پر قبضے کو برقرار رکھیں۔

عراق کا نظام اور شام میں نئے ایجنٹ احمد الشرع کا نظام خطے کے نظاموں کی امریکی ڈھانچہ بندی کی ایک مثالی صورت ہے جسے امریکہ پورے خطے میں نافذ کرنا چاہتا ہے۔ ایران پر ٹرمپ کا حملہ بھی ایرانی نظام کی دوبارہ ڈھانچہ بندی اور اسے قوت کے تمام اسباب سے محروم کرنے کے لیے ہے، تاکہ خطے میں اس کے اثر و رسوخ کے نیٹ ورک کو توڑ دیا جائے۔ اس کے بعد یا تو اسے امریکی شرائط کے مطابق مکمل طور پر ڈھال کر خطے کی نئی ترتیب میں شامل کیا جائے گا، یا پھر وہاں اس سے بھی زیادہ دب کر رہنے والا اور فرمانبردار نظام لایا جائے گا۔ اب امریکہ کو ایرانی حکمرانوں کی وہ خدمات کافی نہیں لگ رہیں جو وہ اسے فراہم کرتے رہے ہیں، بلکہ وہ اسے ایک خالص نو آبادی (کالونی)، ایک ایجنٹ نظام اور ایسے غلام حکمران بنانا چاہتا ہے جو حکم ملتے ہی بجالائیں!

خطے کی یہ امریکی و صلیبی تشکیل اور نظاموں کی یہ ڈھانچہ بندی پاکستان اور ترکی کو بھی طوفان کی زد میں لے آئی ہے۔ جہاں تک باقی استعماری کٹھ پتلی ریاستوں کا تعلق ہے، تو غزہ کی جنگ نے ان کی حقیقت کو بے نقاب کر دیا ہے، ان کی "قومی ریاست" کا نقاب اتار دیا ہے اور کافر صلیبیوں کے سامنے ان کی مکمل محکومی کو ظاہر کر دیا ہے۔ ایران پر امریکہ کے وحشیانہ حملے کے بعد ہم ایک شرمناک اور لرزہ خیز استعماری صورتحال کے سامنے کھڑے ہیں۔ کافر صلیبی اپنی یہ صلیبی جنگ سرزمینِ اسلام کے اندر سے، انہی نو آبادیاتی اڈوں اور مسلمانوں کے سمندروں سے لڑ رہا ہے، جبکہ ان نو آبادیات کے رکھوالے (حکمران) نہ صرف مکمل طور پر جھکے ہوئے ہیں بلکہ اس میں شریک بھی ہیں۔

ہم کسی ایسی فرقہ وارانہ جنگ کے سامنے نہیں کھڑے جس کے لیے نفرت انگیز مذہبی تعصب کو ہوا دی جائے، بلکہ یہ ایک ایسی وحشیانہ صلیبی جنگ ہے جو غزہ، تہران، مغربی کنارے اور اصفہان کے درمیان کوئی فرق نہیں کرتی۔ اس کے میدان الگ ہو سکتے ہیں لیکن صلیبی مقصد ایک ہی ہے: اسلام کو کچلنا اور اس کی امت کو مٹا دینا۔ بدبخت صلیبی ہمیں بار بار

اپنی نفرت کی حقیقت اور اپنی جنگ کی بربریت کی یاد دلاتے رہتے ہیں۔ امریکی وزیرِ جنگ 'پیٹ ہیگستھ' نے اپنی صلیبی جنگ کے پس منظر کا برملا اور واضح اعلان کرتے ہوئے کہا ہے کہ: "یہ بالکل واضح ہے کہ ایران جیسے پاگل نظام، جو نبوی اسلامی خوابوں کے جنون میں مبتلا ہیں، ان کے پاس ایٹمی ہتھیار نہیں ہو سکتے"۔ اس نے مزید کہا کہ "شدت پسند اسلام پسندوں کے پاس ایٹمی بم نہیں ہو سکتا"۔ اسی طرح ٹرمپ کے وفادار امریکی سینیٹر 'لنڈسے گراہم' کے غزہ جنگ اور ایران پر حملے سے متعلق بار بار آنے والے بیانات کہ "یہ ایک مذہبی جنگ ہے"، اسی حقیقت کی غمازی کرتے ہیں۔

لہٰذا ہمیں اپنی سمت درست کرنی ہو گی، یہاں غلطی مہلک اور تباہ کن ثابت ہو گی۔ اسلام اور اس کی امت کے خلاف جنگ ختم نہیں ہوئی ہے، اور یہ تب ہی ختم ہو گی جب اسلام کی دو دھاری تلوار، اس کی ریاست اور امت کی وحدت میدان میں آئے گی۔

سنی اور شیعہ کی تقسیم کو چھوڑ دیں، یہ مغرب کے بچھائے ہوئے وہ بارودی جال ہیں جن کا مقصد امتِ مسلمہ کو ٹکڑے ٹکڑے کرنا ہے۔ مغرب جب بھی ہمارے خلاف لڑا ہے اور اپنی صلیبی جنگ چھیڑی ہے، تو وہ ہمیں ایک ہی طرح کے انسان، ایک دین، ایک ثقافت، ایک تہذیب اور ایک ہی امت کے طور پر دیکھتا ہے۔ وہ بدبخت ہم سے قوموں، گروہوں یا فرقوں کی حیثیت سے نہیں بلکہ "مسلمان" ہونے کی حیثیت سے لڑتا ہے۔ وہ ہمیں ان تقسیموں میں الجھانے کی کوشش کرتا ہے جنہوں نے ہمیں بانٹ دیا ہے، جبکہ وہ خود ہمیں مٹانے اور ہمارے عظیم اسلام کو محو کرنے کے لیے متحد ہو کر لڑنے میں مصروف ہے۔

اے عظیم اسلام کے بیٹو! یہ جان لو کہ تمہارے اندرونی سیاسی معاملات کا حل ان تمام غدار حکمرانوں کی جڑیں اکھاڑ پھینکنے میں ہے، نہ کہ ان کے زہریلے وطنی، قومی اور فرقہ وارانہ نعروں اور ان کی مصنوعی دشمنیوں کا جواب دینے میں جو کافر صلیبیوں نے تمہاری صفوں کو منتشر کرنے اور تمہاری اسلامی اخوت کو تباہ کرنے کے لیے پیدا کی ہیں۔ یہ بات اچھی طرح سمجھ لو کہ ایران کے حکمران ہوں یا استعمار کے زیرِ اثر دیگر تمام حقیر حکمران، وہ خیانت میں ایک جیسے اور تمہارے خلاف جرائم میں برابر کے شریک ہیں۔ ان میں سے ہر ایک تمہارے خون میں لت پت ہے اور ان کے جرائم کا سیاہ ریکارڈ کبھی مٹ نہیں سکتا، چاہے وہ الجزائر کا "سیاہ عشرہ" ہو، مراکش کے "سیسے کے سال" ہوں، عراق اور شام میں بعث پارٹی کے مظالم ہوں، رابعہ میں سیسی کے ہاتھوں ہونے والا قتلِ عام ہو، بشار الاسد کی سفاکیت ہو، شام میں ایرانی حکام کے ہاتھوں

ہونے والے قتلِ عام ہوں، یا افغانستان و عراق پر قبضے میں امریکہ کی مدد اور یمن و لبنان میں اس کے مفادات کا تحفظ ہو۔ اور یہ فہرست ابھی بہت طویل ہے۔

جہاں تک تمہاری امت کا تعلق ہے، تو اس کے ساتھ معاملہ خالصتاً فکری ہے جسے گہرے مباحثے، باہمی نصیحت، حکمت اور صبر کے ساتھ حل کیا جانا چاہیے اور تمہیں اپنے کافر دشمن کے خلاف ایک ہاتھ بن کر (متحد ہو کر) کھڑا ہونا چاہیے۔ لہٰذا کافر دشمن کے بچھائے ہوئے جالوں اور اس کی بارودی سرنگوں، جیسے وطن پرستی، قوم پرستی، فرقہ واریت، مذہبی تعصب اور مصنوعی دشمنیوں سے بہت زیادہ ہوشیار رہو۔ ایک دوسرے سے پیٹھ پھیرنے اور آپس کی لڑائی سے بچو، اور آپس میں جھگڑا نہ کرو ورنہ تم ناکام ہو جاؤ گے، تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی اور تم کافر دشمن اور اس کے حواریوں کا وہ ناپاک مقصد پورا کر دو گے جو تمہاری صفوں کو ٹکڑے ٹکڑے کرنا ہے۔

اس بات کو سمجھ لو کہ مغرب کی صلیبی جنگ کسی بھی فرقہ وارانہ اختلاف اور نفرت انگیز تعصب سے کہیں زیادہ بڑی، کہیں زیادہ کفر پر مبنی اور کہیں زیادہ لعنتی ہے۔ کافر کی جنگ کا مقصد تمہاری ہلاکت اور تمہارے عظیم اسلام کو مٹا دینا ہے، لہٰذا اپنے ارادے مضبوط کرو اور جان لو کہ یہ اسلام اور اس کی امت کی جنگ ہے۔ تمہیں بدبودار عصبیتوں اور نفرت انگیز نعروں کے ذریعے اس اصل جنگ سے غافل نہیں ہونا چاہیے، اور نہ ہی مغرب کے صلیبی طیاروں اور میزائلوں کے شور سے خوفزدہ ہونا چاہیے۔ مغرب کی اصل کمزوری اس کی بدبودار تہذیب اور نفرت انگیز ثقافت میں ہے، نہ کہ اس کی افواج کے کچلے جانے میں۔ بچوں کے ساتھ زیادتی اور معصوم بچوں کے گوشت خور مغرب کا "ایپسٹین جہنم" تمہارے دشمن کی گراوٹ اور اس کے زوال کی واضح دلیل ہے۔

اور یہ جان لو کہ تمہاری نجات صرف اور صرف اسلام میں ہے، اور تمہاری کامیابی کی کشتی اور دشمن پر غلبے کی واحد صورت تمہاری اسلامی ریاست کا قیام اور تمہارے رب کی شریعت کا نفاذ ہے تاکہ تمہاری امت اور پوری انسانیت کو مغرب کے اس جہنم سے نجات دلائی جا سکے۔

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن تَنصُرُوا اللَّهَ يَنصُرْكُمْ وَيُثَبِّتْ أَقْدَامَكُمْ۔ وَالَّذِينَ كَفَرُوا فَتَعْساً لَّهُمْ وَأَضَلَّ أَعْمَالَهُمْ * ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ كَرِهُوا مَا أَنزَلَ اللَّهُ فَأَحْبَطَ أَعْمَالَهُمْ﴾ "اے ایمان والو! اگر تم اللہ (کے دین) کی مدد کرو گے تو وہ تمہاری مدد کرے گا اور تمہارے قدم جما دے گا * اور جو لوگ کافر ہوئے ان کے لیے ہلاکت ہے اور اللہ نے ان کے اعمال ضائع کر دیے * یہ اس لیے کہ انہوں نے اس چیز (وحی) کو ناپسند کیا جو اللہ نے نازل فرمائی، پس اللہ نے ان کے اعمال اکارت کر دیے" (سورۃ محمد: آیت 7، 8، 9)

خلافت کی ریاست میں نظامِ صحت کی ایک جھلک

دسویں صدی عیسوی میں قرطبہ کے ایک ہسپتال میں داخل ایک فرانسیسی نوجوان نے اپنے والد کو خط لکھا جس میں اس نے کہا: "میرے پیارے والد! آپ نے اپنے پچھلے خط میں ذکر کیا تھا کہ آپ میرے علاج میں مدد کے لیے مجھے کچھ رقم بھیجیں گے، لیکن مجھے رقم کی بالکل ضرورت نہیں ہے۔ کیونکہ اس اسلامی ہسپتال میں علاج مکمل طور پر مفت ہے، بلکہ یہ ہسپتال صحت یاب ہونے والے ہر مریض کو 5 دینار اور نئے کپڑے بھی دیتا ہے جب وہ ہسپتال سے رخصت ہوتا ہے، تاکہ اسے صحت یابی کے ابتدائی ایام (نقاہت کے دور) میں کام نہ کرنا پڑے"۔

"میرے پیارے والد! اگر آپ تشریف لائیں اور مجھ سے ملیں تو آپ مجھے جراحت (سرجری) اور جوڑوں کے علاج کے شعبے میں پائیں گے، اور آپ میرے کمرے کے پاس ایک لائبریری اور مطالعہ و لیکچر کے لیے ایک ہال دیکھیں گے، جہاں ڈاکٹر روزانہ اساتذہ کے لیکچر سننے کے لیے جمع ہوتے ہیں۔ جہاں تک خواتین کے امراض کے شعبے کا تعلق ہے، تو وہ ہسپتال کے صحن کی دوسری جانب واقع ہے اور وہاں مردوں کے داخلے کی اجازت نہیں ہے۔ صحن کی دائیں جانب آپ کو ایک بڑا ہال ملے گا جو ان مریضوں کے لیے مخصوص ہے جو صحت یاب ہو چکے ہیں، جہاں وہ اپنی نقاہت کا دور گزارتے ہیں، اس ہال میں ایک خاص لائبریری اور موسیقی کے آلات بھی موجود ہیں"۔

"میرے پیارے والد! اس ہسپتال کا ہر حصہ اور ہر گوشہ صفائی کی انتہا پر ہے، جس بستر اور تکیے پر آپ سوتے ہیں وہ دمشق کے سفید کپڑے میں لپٹا ہوتا ہے، جبکہ کمبل مخمل کے نرم اور لطیف کپڑے سے بنے ہوئے ہیں۔ ہسپتال کے تمام کمروں میں صاف پانی فراہم کیا جاتا ہے جو خاص پائپوں کے ذریعے وہاں پہنچتا ہے اور سردیوں کے لیے ہر کمرے میں انگیٹھی موجود ہے۔ جہاں تک کھانے کا تعلق ہے تو وہ مرغی کے گوشت اور سبزیوں پر مشتمل ہوتا ہے، یہاں تک کہ بعض مریض تو لذیذ کھانے کے لالچ میں ہسپتال سے جانا ہی نہیں چاہتے"۔ (الجزیرہ نیٹ)

کیا وسطی ایشیا ایک ہی سوراخ سے دوبارہ ڈسا جائے گا؟

وسطی ایشیا آج ایسی جغرافیائی سیاسی اور جغرافیائی معاشی اہمیت اختیار کر چکا ہے جس کی پہلے کوئی مثال نہیں ملتی۔ یہ ایک ایسا اسٹریٹجک مرکز ہے جو ایشیا کو یورپ سے، اور یورپ کو ایشیا اور جنوبی ممالک سے جوڑتا ہے، اس کے علاوہ یہ خطہ قدرتی وسائل اور توانائی کے ذخائر سے مالا مال ہے۔ روس اپنی پرانی دوستی کی یاد دلا رہا ہے، جبکہ چین، امریکہ اور یورپ نئی دوستی کے مختلف روپ پیش کر رہے ہیں۔ اسی دوران بعض پڑوسی ممالک، جیسے افغانستان، اور خاص طور پر اسلام کی دعوت دینے والوں کو ایسے دشمنوں کے طور پر پیش کیا جاتا ہے جن سے بہت زیادہ محتاط رہنے کی ضرورت ہے۔

ان عالمی قوتوں میں سے ہر ایک کی یہ کوشش ہے کہ وسطی ایشیا کی پانچ ریاستوں کے سربراہان کو یا تو اپنے ملک بلائیں یا خود وہاں کا دورہ کریں، تاکہ انہیں اتحاد اور شراکت داری کی طرف مائل کیا جا سکے، یعنی روس کی پرانی دوستی کی طرح (5+1) فارمولے کے تحت نئی دوستی۔ ان تمام قوتوں کا مقصد خطے کے اہم جغرافیائی سیاسی اور جغرافیائی معاشی مقام پر قبضہ کرنا اور یہاں کے بے پناہ اور نہ ختم ہونے والے وسائل کو ہڑپ کرنا ہے۔ آج جب روس یوکرین کی جنگ کی دلدل میں دھنسا ہوا ہے، تو یہ ایک پرانی دوستی سے چھٹکارا پانے کا سنہری موقع ہے، اور ضرورت اس بات کی ہے کہ نئی دوستیوں کے فریب میں نہ آیا جائے۔

آج وسطی ایشیا کے حکمرانوں اور وہاں کے باشعور طبقے کے سامنے ایک حقیقی چیلنج ہے۔ یہ چیلنج صرف پانچ بکھری ہوئی اور کمزور ریاستوں کے درمیان تعاون کو منظم کرنا نہیں ہے، بلکہ ایک ایسی واحد، طاقتور اور بیدار ریاست کا قیام ہے جو سب کو متحد کرے اور یہ واضح طور پر جانتی ہو کہ دوست کون ہے اور دشمن کون۔

ماضیِ قریب میں انہوں نے ایک دوست کا انتخاب کیا تھا جس کے نتیجے میں انہیں ایک گہرا زخم لگا، اور آج جب ایک سنہری موقع میسر ہے، تو سوال یہ ہے کہ: کیا وہ کسی نئے دوست کا انتخاب کر کے دوبارہ اسی سوراخ سے ڈسے جائیں گے یا نہیں؟ کیونکہ عقل مند ایک ہی سوراخ سے دوبار نہیں ڈسا جاتا۔